بابر نامہ

محمد قاسم صدیقی

بابرنامہ

(تزکِ بابری)

ظہیرالدین بابر

محمد قاسم صدیقی

ترقی اردو بیورو نئی دہلی

پیش لفظ

کوئی بھی زبان یا معاشرہ اپنے ارتقا کی کس منزل میں ہے، اس کا اندازہ اس کی کتابوں سے ہوتا ہے۔ کتابیں علم کا سرچشمہ ہیں، اور انسانی تہذیب کی ترقی کا کوئی تصور ان کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابیں دراصل وہ صحیفے ہیں جن میں علوم کے مختلف شعبوں کے ارتقا کی داستان رقم ہے اور آئندہ کے امکانات کی بشارت بھی ہے۔ ترقی پذیر معاشروں اور زبانوں میں کتابوں کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ سماجی ترقی کے عمل میں کتابیں نہایت موثر کردار ادا کرسکتی ہیں۔ اُردو میں اس مقصد کے حصول کے لیے حکومت ہند کی جانب سے ترقی اُردو بیورو کا قیام عمل میں آیا جسے ملک کے عالموں، ماہروں اور فن کاروں کا بھرپور تعاون حاصل ہے۔

ترقی اُردو بیورو معاشرہ کی موجودہ ضرورتوں کے پیش نظر اب تک اُردو کے کئی ادبی شاہکار، سائنسی علوم کی کتابیں، بچوں کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت، زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شائع کرچکا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مختصر عرصے میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ بیورو سے شائع ہونے والی کتابوں کی قیمت نسبتاً کم رکھی جاتی ہے تاکہ اُردو والے ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکیں۔

زیرِ نظر کتاب بیورو کے اشاعتی پروگرام کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ امید کہ اُردو حلقوں میں اسے پسند کیا جائے گا۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم
ڈائرکٹر ترقی اُردو بیورو

انتساب

اپنی بچی نگار کے نام

محمد قاسم صدیقی

حالاتِ زندگی

میں ۶/جون ۱۴۹۴ء (۵/رمضان ۸۹۹ھ) کو فرغانہ کا بادشاہ بنا۔
اس وقت میری عمر بارہ برس کی تھی۔ فرغانہ پانچویں اقلیم میں ہے۔ اس کے
مشرق میں کاشغر، مغرب میں سمرقند، جنوب میں بدخشاں کے پہاڑ اور شمال میں
ویران جنگل ہے اس میں پہلے بہت سے شہر تھے لیکن ازبکوں کے حملوں
سے اس زمانہ میں ایسی ویرانی ہے کہ نام کو آبادی نہیں رہی۔ فرغانہ کا
علاقہ کچھ بڑا نہیں ہے مگر اِس میں میوہ اور غلّہ بہت پیدا ہوتا ہے اس
کے گرد پہاڑوں کا سلسلہ ہے صرف مغرب کی طرف جدھر سمرقند ہے
پہاڑ نہیں ہے۔ باہری دشمن بھی اس طرف کے علاوہ دوسری طرف
سے اندر نہیں آسکتا۔ سیحون دریا شمال مشرق کی طرف ملک کے بیچ
میں سے ہوتا ہوا مغرب کو چلا جاتا ہے اور آگے شمال کی طرف
ترکستان میں جاتا ہے اور اکیلا بہتا ہوا ریگستان میں جذب
ہوجاتا ہے۔

اس ملک میں سات قصبے ہیں۔ اِن میں سے ایک اندجان ہے
جو ملک کے بیچ میں ہے اور فرغانہ کی راجدھانی ہے۔ یہ مقام بہت
ہرا بھرا ہے۔ اِس میں غلّہ اور میوہ بہت پیدا ہوتا ہے۔ انگور اور خربوزہ
بہت عمدہ ہوتا ہے وہاں کا طریقہ یہ ہے کہ فصل میں خربوزے کو فالیز

دکھیت، پر نہیں بیچتے۔ ناشپاتی اندجان سے بہتر کہیں نہیں ہوتی۔ آس پاس اندجان کے قلعہ سے بڑا اور کوئی قلعہ نہیں۔ اس کے تین دروازے ہیں شہر میں نو نہریں آتی ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ سب نہریں ایک جگہ سے نہیں نکلتیں۔ قلعہ کے چاروں طرف ایک بڑی خندق ہے اور خندق کے کنارے پر سڑک ہے جس پر روڑی بچھی ہوئی ہے قلعہ کے ہر طرف محلے آباد ہیں۔ محلوں اور قلعہ کے بیچ ایک سڑک ہے۔ یہاں کے جنگل میں شکار بہت بڑی تعداد میں ہے۔ یہاں ہریل کا سالن بہت اچھا تیار ہوتا ہے چنانچہ مشہور ہے کہ ایک ہریل کا سالن اتنا ہوتا ہے جس سے چار آدمی پیٹ بھرلیں اور پھر بھی وہ بچ رہے۔ یہاں کے رہنے والے سب تُرک ہیں۔ شہر اور بازار میں کوئی ایسا نہیں ہے جو ترکی زبان نہ جانتا ہو اس ملک کے عام آدمیوں کی زبان ایسی صاف ہے جیسے ایک اچھے مصنّف کی۔ اس کی مثال میر علی شیر نوائی کی کتابوں سے دی جاسکتی ہے۔ یہاں کے لوگ بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔ موسیقی (گانے وغیرہ) کا بہت شوق ہے۔ یہاں کی آب و ہوا خراب ہے۔ آنکھوں کے دُکھنے کی بیماری بہت ہوتی ہے۔ عمر شیخ مرزا سمرقند میں ۸۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ سلطان ابوسعید مرزا کے چوتھے بیٹے تھے۔ اس طرح یہ سلسلہ حضرت امیر تیمور سے ملتا ہے۔ امیر تیمور نے اپنے بیٹے عمر شیخ مرزا کو فرغانہ کی سلطنت دی تھی۔ اُن کا قد چھوٹا چہرہ کا رنگ سرخ ڈاڑھی رکھتے تھے بدن بھاری تھا کپڑے بہت چست پہنتے تھے سر پر پگڑی باندھتے تھے۔ پانچ وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ شاہنامہ کو بہت شوق سے پڑھتے تھے مگر خود شعر نہیں کہتے تھے۔ بہادر آدمی تھے تلوار بہت اچھی

چلاتے تھے۔ گھونسا زبردست مارتے تھے یہ ممکن نہ تھا کہ کسی کو گھونسا ماریں اور گھونسا کھانے والا گر نہ پڑے۔

اِن کی اولاد میں تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں میں سب سے بڑا بیٹا میں ظہیرالدین بابر ہوں۔ میری ماں قتلق نگار خانم تھیں۔ جب عمر شیخ مرزا کا انتقال ۱۰/جون ۱۴۹۴ء (۸۹۹ھ) میں ہوا تو میں اندجان کے چار باغ (محل کے اندر) میں تھا۔ رمضان شریف کی پانچویں تاریخ منگل کے دن مجھے اندجان میں یہ خبر پہنچی۔ میں گھبرا کر سوار ہوا اور جس قدر نوکر میرے پاس تھے ان کو ساتھ لے کر قلعہ کی طرف روانہ ہوا۔ میں دروازے کے قریب پہنچا تھا کہ شیرم طغائی میرے گھوڑے کو پکڑ کر عیدگاہ کی طرف چلا اُس کو یہ خیال ہوا کہ وہاں کے لوگ مجھے سلطان احمد مرزا کے حوالے نہ کردیں لیکن وہاں کے سرداروں نے جب یہ سنا تو میرے پاس آدمی بھیج کر اطمینان دلایا اور میں عیدگاہ تک پہنچا ہی تھا جو مجھ کو واپس لے آئے۔ میں محل میں آیا سب سردار میرے پاس حاضر ہوئے۔ مشورہ ہوا اور قلعہ کو مضبوط بنایا اور جنگ کی تیاری شروع کردی۔ میرے مقابل جو آتے وہ واپس چلے گئے۔ ابراہیم سارد میرے والد کی خدمت میں رہ کر امیری کے مرتبہ کو پہنچ گیا تھا اور آخر کسی جرم کی وجہ سے نکال دیا گیا تھا میرا مخالف ہوگیا۔ وہ میرے مقابلہ پر آیا۔ میں بھی تیار ہوکر نکلا اور پرانے قلعہ کے قریب کی دیوار کے پاس پہنچتے ہی نئے قلعہ کو جو ابھی بنا تھا چھین لیا۔ اِس کے بعد آگے بڑھ کر محاصرہ کرلیا۔ چالیس دن گزر گئے۔ ابراہیم سارد پریشان ہوگیا اور اس نے میری سرداری تسلیم کرلی۔

شوال کے مہینہ میں وہ ترکش اور تلوار گلے میں ڈال کر قلعہ سے باہر آگیا۔ اور شہر کو ہمارے سپرد کردیا۔

یہاں سے خجند بہت قریب تھا میری بہت تمنا تھی کہ اسے بھی اپنے قبضہ میں کروں۔ خجند میں میر مغل کا باپ عبدالوہاب شغاول حاکم تھا میرے وہاں پہنچنے پر اُس نے شہر میرے حوالے کردیا۔ یہاں سے ہماری منزل سمرقند تھی جس وقت میں اور سلطان علی مرزا ملے تھے اُس وقت یہ وعدہ ہوگیا تھا کہ گرمی کے موسم میں وہ بخارا سے اور میں اندجان سے آکر سمرقند کو گھیرلیں۔ اِس وعدہ پر میں رمضان میں اندجان سے روانہ ہوا لیکن مجھے معلوم ہوا کہ دونوں میرزا مقابلہ کے لیے تیار ہیں۔ ایک دوروز بعد میں شیراز میں پہنچا۔ شیراز قاسم دولدائی کے پاس تھا داروغہ شیراز اس کو نہ بچا سکا اور میرے حوالہ کردیا۔ میں نے شیراز ابراہیم سارد کو سونپ دیا۔ دوسرے دن عید کی نماز پڑھنے کے بعد میں سمرقند روانہ ہوا۔ ان ہی دنوں میں جب ہم یورت خاں میں تھے سمرقندیوں نے ایک آدمی بھیج کر یہ درخواست کی کہ غار عاشقاں کی طرف آیئے ہم قلعہ حوالہ کردیں گے ہم لوگ اس خیال سے شب کو آئے اندر والے کچھ لوگوں کو پکڑ کر لے گئے اور دوسرے لوگ ہوشیار ہوگئے یہ بڑے بہادر سپاہی تھے۔ انھوں نے اُنھیں مار ڈالا۔ سمرقند کے لوگوں میں سے بہت سپاہی اور شہر والے پل محمد حبیب پر جمع ہوتے اور ہم پر حملہ کردیا ہماری فوج تیار نہ تھی۔ ہم پیچھے ہٹ گئے اس کے بعد سب کو جمع کیا اور حکم دیا کہ جو فوج موجود ہے تیار ہو جائے اسی فوج نے دو طرف سے پل میرزا اور پل محمد حبیب پر حملہ کیا۔ خدا نے میری لاج رکھی دشمن ہار گیا۔ ان کے اچھے اچھے

سپاہی اور سردار پکڑے گئے اس کے بعد ۱۴۹۶ء ۹۰۲ھ ہی میں بلخ بھی مل گیا۔ اب شہر سمرقند لینا مشکل نہ تھا۔ ہمیں معلوم تھا کہ وہاں کے لوگ ہمارا استقبال کرنے کو موجود ہیں ہم روانہ ہوئے راستہ میں سردار اور سپاہی ہمیں ملتے گئے اور ہمارا استقبال کرتے گئے۔ ہم قلعہ میں پہنچ کر بستان سرائے میں جا اترے۔ خدا کے کرم سے ربیع الاول ۹۰۳ھ مطابق ۱۴۹۶ء میں سمرقند ہمارے قبضہ میں آگیا۔

تمام دنیا میں سمرقند سے اچھا کوئی شہر نہ ہوگا۔ یہ علاقہ پانچوں اقلیم میں ہے۔ اس پر کبھی کسی نے قبضہ نہیں کیا تھا اس لیے اسے بلدہ محفوظ کہتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہاں کے لوگ مسلمان ہوگئے تھے اس کے بعد قثم ابن عباس وہاں آئے تھے اُن کا مزار آہنی دروازہ کے پاس ہے اب مزارِ شاہ کے نام سے مشہور ہے اس شہر کو سکندر اعظم نے بسایا تھا۔ مغل اور ترک لوگ اِس کو سمیز کند (کنت) کہتے ہیں حضرت امیر تیمور نے اِس کو اپنی راجدھانی بنایا۔

اسے ماوراء النہر بھی کہتے ہیں۔ اِس کے مشرق میں فرغانہ اور کاشغر ہیں مغرب میں بخارا۔ شمال میں تاشقند اور شاہرخیہ اور جنوب میں بلخ اور ترمذ ہے۔ دریائے کوہک سمرقند سے دو میل کے فاصلہ پر شمال میں بہتا ہے۔ سمرقند اور دریا کے بیچ میں ایک ٹیکرا ہے جس کو کوہک کہتے ہیں چونکہ یہ دریا اِس پہاڑ کے نیچے سے بہتا ہے اس لیے اس کا نام دریائے کوہک مشہور ہوگیا۔ اس سے ایک اور ندی نکلتی ہے جس کو دریائے درغم کہتے ہیں۔ یہ ندی سمرقند کے جنوب میں بہتی ہے۔ سمرقند کے باغات کو اسی ندی سے پانی ملتا ہے۔

سمرقند کا بیان

سمرقند میں انگور. خربوزہ. سیب. انار بلکہ سب میوے عمدہ ہوتے ہیں اور بہت ہوتے ہیں سمرقند کے دو میوے بہت مشہور ہیں ایک سیب اور دوسرے انگور.

سردی یہاں خوب ہوتی ہے مگر کابل سی برف نہیں پڑتی، ہوا اچھی ہے لیکن گرمیوں میں کابل کی ہوا کا مقابلہ نہیں.

سمرقند اور اس کے آس پاس امیر تیمور اور اُلغ بیگ کی بنائی ہوئی عمارتیں اور بہت سے باغ ہیں، امیر تیمور نے ایک بڑا محل بنایا جس کا نام کوک سرائے مشہور ہے. یہ عمارت بڑی عالی شان ہے شہر میں لوہے کے دروازے کے پاس ایک جامع مسجد بنائی ہے. بہت سے سنگتراشوں نے جنھیں وہ ہندوستان سے ساتھ لائے تھے اس مسجد میں کام کیا ہے. سمرقند کے مشرق میں امیر کے بناتے ہوئے دو باغ ہیں ایک بہت فاصلہ پر ہے جس کا نام باغ بولدی یعنی بے عیب باغ ہے دوسرا باغ قریب ہے اور اس کا نام دلکشا ہے اس باغ سے فیروزہ دروازہ تک دونوں طرف درخت لگے ہوئے ہیں اور بہت بڑی تفریح گاہ ہے یہ درخت صنوبر کے ہیں. دلکشا میں بھی ایک بہت بڑا محل ہے. اس محل میں ایک تصویر بنائی گئی ہے جس میں ہندوستان میں امیر کی لڑائی کا منظر دکھایا گیا ہے. سمرقند کے جنوب چنار باغ ہے. یہ باغ شہر کے قریب ہے. نیچے کی جانب باغ شمال اور باغ بہشت ہے. امیر تیمور کے پوتے محمد سلطان مرزا نے قلعہ کے دروازہ کے پاس ایک مدرسہ بنایا ہے. امیر تیمور کا مزار اور اس کی اولاد میں سے سمرقند کے بادشاہ کی قبریں بھی اس مدرسہ

میں ہے۔ الغ بیگ مرزا کی عمارتوں میں سے سمرقند کی شہرپناہ میں مدرسہ
اور خانقاہ ہے۔ خانقاہ کا گنبد بہت بڑا ہے کہتے ہیں کہ اتنا بڑا گنبد دنیا
میں اور کہیں نہیں ہے اس مدرسہ کے پاس ایک بہت خوبصورت حمام
بنا ہوا ہے یہ حمام مرزا کے نام سے مشہور ہے اس کا فرش ہرقسم کے
پتھروں سے بنا ہے خراسان اور سمرقند میں ایسا حمام نہیں۔ مدرسہ کے
جنوب میں ایک مسجد ہے۔ کوہک پہاڑ کے دامن میں مغرب کی طرف
ایک اور باغ بنایا ہے اس کا نام باغ بیداں ہے اس باغ میں ایک
بڑا مکان بھی ہے جس کو چہل ستون ، چالیس ستون والا، کہتے ہیں اس
کے سارے ستون پتھر کے ہیں۔ اس عمارت کے چار کونوں میں مینار
کی شکل میں چار برج بنائے گئے ہیں۔ اُوپر چڑھنے کا راستہ ان ہی
برجوں میں سے ہے۔ ہر جگہ پتھر کے ستون ہیں اُوپر کی منزل میں چاروں
طرف دالان ہیں اس عمارت کی کرسی اور فرش پتھر کا ہے کوہک پہاڑ کی
طرف ایک باغیچہ ہے اس میں ایک بڑی بارہ دری بنائی ہے۔ بارہ دری
میں ایک بڑا سنگین تخت رکھا ہے اُس کی لمبائی چودہ پندرہ گز ہے ۔
چوڑائی ۸ گز کی اور اُونچائی ایک گز کی ہے۔ اس بڑے پتھر کو بڑی دور
سے لائے ہیں اِس باغ میں ایک چودری ہے اُس میں تمام دیواروں پر
چینی کا کام کیا ہوا ہے اُس کو چینی خانہ کہتے ہیں شمالی چین سے آدمی بھیج کر
اس کو منگوایا ہے شہر کے اندر ایک اور پُرانی عمارت ہے جس کو مسجد لقلقہ
کہتے ہیں اس میں خاص بات یہ ہے کہ اگر مسجد کے صحن میں لات مارو تو
لق لق کی آواز آتی ہے اس بھید کو کوئی نہیں جانتا۔ سب سے خوبصورت
باغ چار باغ ہے اُسے درویش محمد ترخان نے لگایا تھا۔ یہ باغ اپنی مثال

آپ ہے۔ باغ میدان کے نیچے کی جانب ایک بلندی پر بنایا ہے یہ مقام بہت خوبصورت ہے۔

سمرقند ایک سجا ہوا شہر ہے اس کی ایک خوبصورتی یہ ہے کہ مختلف پیشےوالوں کے بازار الگ الگ ہیں دنیا کا بہترین کاغذ سمرقند میں ہوتا ہے یہاں کی دوسری خوبصورت چیز مخمل ہے اس کو بھی دور دور لے جاتے ہیں شہر کے چاروں طرف بہت سے عمدہ سبزہ زار ہیں ایک سبزہ زار کان گل کے نام سے مشہور ہے سمرقند کے بادشاہوں نے ہمیشہ اس کی حفاظت کی ہے ہر سال ایک دو ماہ اس میں اکثر ضرور رہے ہیں اس کے جنوب میں ایک دوسرا سبزہ زار ہے جسے یورت خاں کہتے ہیں۔ اس میں دریائے سیاہ اس طرح چکر کھا کر بہتا ہے کہ اس چکر کی زمین میں ایک لشکر آسکتا ہے اس کے نکلنے کے راستے بہت تنگ ہیں۔

سمرقند کا علاقہ عمدہ ہے وسعت میں سمرقند کے مقابلے کا دوسرا شہر بخارا ہے۔ یہ سمرقند کے مغرب میں تقریباً تیس میل دہ فرنگ، کے راستہ پر ہے۔ بخارا ایک خوبصورت اور اچھا شہر ہے اس میں میوے بہت بڑھیا ہوتے ہیں اور ہوتے بھی بہت ہیں۔ اس کے خربوزے کا تو کیا کہنا ہے آلو بخارا بھی یہاں کا مشہور ہے بخارا کا سا آلو کہیں ہوتا ہی نہیں اس کو چھیل کر اور خشک کرکے تحفہ کے طور پر لے جاتے ہیں۔ یہاں پرندے اور قازیں بہت ہوتی ہیں۔

سمرقند کے تخت پر بیٹھتے ہی میں نے وہاں کے سرداروں کے ساتھ مہربانی شروع کی اور انھیں انعام دئے لیکن اس لڑائی میں لوٹ کا مال ہاتھ نہ لگا اس لیے میرے ساتھ جو لوگ آئے تھے وہ ایک ایک کرکے

چلے گئے کچھ دن اسی طرح گذر گئے پھر میرے پاس میری والدہ اور نانی نے اور میرے استاد و میر مولانا قاضی نے ایسے خط لکھے کہ میں مجبور ہوگیا اور رجب کے مہینہ میں ۹۰۴ ہجری مطابق ۱۴۹۸ء (قبضہ کے لیے سمرقند سے اندجان کے لیے چل پڑا۔ اسی درمیان میں اندجان پر دوسروں کا قبضہ ہوگیا۔ غرض سمرقند بھی گیا اور اندجان بھی۔ میں پھر بھی ہمت نہ ہارا۔ ۹۰۵ ہجری مطابق ۱۴۹۹ء میں میں نے پھر جہانگیر مرزا سے صلح کرلی۔

عائشہ سلطان بیگم میرے چچا سلطان احمد مرزا کی بیٹی تھی اِس سے میرے باپ اور چچا کی زندگی میں منگنی ہوگئی تھی وہ اِسی سال خجند میں آگئی شعبان کے مہینہ میں میری اِس سے شادی ہوگئی۔

۹۰۵ ہجری ۱۴۹۹ء سے لے کر ۹۱۰ ہجری ۱۵۰۳ء تک میں اسی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرتا رہا۔ ۹۱۰ ہجری (مطابق ۱۵۰۳ء)۔ میں محرم کے مہینہ میں میں نے فرغانہ چھوڑا اور خراسان کے لیے روانہ ہوا۔ اُس وقت میری عمر ۲۳ سال کی تھی۔ میں نے ڈاڑھی منڈوائی۔ میرے ساتھ اُس وقت دوسو سے زیادہ اور تین سو سے کم آدمی تھے ان میں سے اکثر پیدل تھے بہت سوں کے پاس صرف ارتھیاں تھیں کوئی ننگے پاؤں تھا اور کسی کے پاؤں میں موزے تھے۔ غریبی کا یہ عالم تھا کہ ہمارے پاس صرف دو خیمے تھے میرے خیمہ میری والدہ کے لیے لگا دیے تھے۔ میرے لیے ہر پڑاؤ پر ایک چھولداری کھڑی کر دیتے تھے میں اس میں بیٹھ جاتا تھا۔ میرا ارادہ خراسان جانے کا ہوگیا تھا مگر یہاں والوں سے اور خسروشاہ کے نوکروں سے ایک اُمید تھی۔ اِسی طرح میں بڑھتا رہا۔ میرا اگلا قدم کابل تھا۔ کابل کے محاصرہ کرنے کا ارادہ کیا۔

کابل کے حاکم کے پاس ہمارا آدمی گیا اور باتیں کیں۔ اس نے کبھی عذر کیا اور کبھی نرم نرم باتیں کیں۔ میں نے حکم دیا کہ فوج شہر کے بہت قریب جائے اور اندر والوں کو دھمکائے۔ قلعہ والے بہت ہی ڈرے اور کابل کے حاکم نے جس کا نام مقیم تھا شہر ہمارے حوالے کردیا۔ میں نے بھی اس پر بہت عنایت و مہربانی کی۔

کابل کا بیان

کابل کا علاقہ چوتھی اقلیم میں ہے۔ یہ ملک کے بیچ و بیچ واقع ہے اس کے مشرق میں پشاور، کاشغر اور ہندوکش کے بعض علاقے ہیں مغرب میں کوہستان ہے۔ شمال میں قندز اور اندراب کا ملک ہے۔ یہ ہندوکش پہاڑوں کے بیچ میں ہے جنوب میں فرل اور افغانستان ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے اور لمبوترا ہے۔ اِس کی لمبائی مشرق سے مغرب کی طرف ہے۔ اِدھر اُدھر پہاڑ ہے اس کا قلعہ پہاڑ سے ملا ہوا ہے قلعہ کے مغرب و جنوب کے بیچ میں ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے اس کی چوٹی پر کابل کے بادشاہ نے ایک مکان بنایا تھا اس لیے اس پہاڑی کا نام شاہ کابل مشہور ہوگیا۔ اس پہاڑ کے دامن میں باغ ہی باغ ہیں اس پہاڑ کے دامن سے ایک نہر بھی نکلی تھی نہر کے اخیر میں ایک مقام ہے جسے کل کینہ کہتے ہیں یہ سنسان ہے۔ قلعہ کے جنوب میں اور شہر کا ہن کے مشرق میں ایک بڑا تالاب ہے جو ایک میل لمبا ہے۔ شہر کی طرف تین چھوٹے چھوٹے چشمے ہیں ان میں سے دو کل کینہ کے قریب ہیں ایک خواجہ شمو کے نام سے ہے دوسرے پر خواجہ خضر کا قدم

موجود ہے۔ کابل کے لوگ ان دونوں جگہ آکر سیر کرتے ہیں۔

کابل تجارت کی بہت اچھی منڈی ہے۔ ہر سال کابل میں آٹھ ہزار گھوڑے آتے ہیں۔ ہندستان سے بھی پندرہ بیس ہزار آدمیوں کے قافلے کابل میں آتے ہیں۔ ہندستان سے غلام۔ سفید کپڑا۔ قند۔ شکر وغیرہ آتی ہے بہت سے سوداگر ایسے ہیں جو تگنے اور چوگنے نفع سے بھی خوش نہیں ہوتے کابل میں خراسان۔ عراق۔ روم اور چین کا سامان مل جاتا ہے۔ یہاں سے گرم ملک اور سرد ملک دونوں قریب ہیں۔ کابل سے ایک دن کے راستہ پر وہ ملک ہے جہاں ہمیشہ برف رہتی ہے شاید کوئی ایسی گرمی کا موسم آجاتا ہو جس میں وہاں برف نہ رہتی ہو۔

کابل کی ہوا بڑی لطیف ہے ایسی ہوا دار جگہ دوسری نہیں معلوم ہوتی گرمی کی راتوں میں بغیر پوستین پہنے نیند نہیں آتی جاڑے میں برف کثرت سے پڑتی ہے مگر اُس کی ٹھنڈ بہت نہیں ہوتی۔ سمرقند اِس آب وہوا کے لیے مشہور ہے۔

کابل کے میوے مشہور ہیں سردیوں میں انگور۔ انار۔ سیب۔ زردآلو۔ بہی۔ امرود۔ شفتالو۔ بادام اور چار مغزمنوں کی تعداد میں ہوتے ہیں۔ گرمیوں کے زمانہ کے میوے نارنج گنّا وغیرہ ہیں۔ اِس ملک میں شہد بہت پیدا ہوتا ہے مگر یہ شہد غزنی کے پہاڑوں سے آتا ہے کھیرا اتنا عمدہ ہوتا ہے کہ اِس کا کوئی جواب نہیں ایک قسم کا انگور ہوتا ہے جس کی شراب بہت تیز ہوتی ہے۔

کابل کے علاقہ میں کھیتی باڑی اچھی نہیں ہوتی۔ یہاں خربوزہ بھی اچھا نہیں ہوتا۔ کابل ایک مضبوط علاقہ ہے۔ اِس ملک میں دشمن کا جلدی

سے چلا آنا مشکل ہے۔ اِس علاقہ میں مختلف قومیں رہتی ہیں میدانوں میں ترک۔ گھاٹیوں میں عرب۔ شہر میں اور بعض گاؤں میں تاجیک بعض مقامات میں پشتوی اور افغان آباد ہیں۔

اِس ملک میں عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ مغلی۔ ہندی۔ افغانی۔ پشتو۔ پراچی۔ گبری وغیرہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔

یہ ملک چودہ تومان (ضلعوں) میں بٹا ہوا ہے سمرقند اور بخارا میں تومان اس حصّہ کو کہتے ہیں جو ایک بڑے علاقہ کے تحت ہو۔ اندجان چین اور ہندستان میں اس کو پرگنہ بھی کہتے ہیں۔

کابل کے جنوب مغرب میں ایک بڑا پہاڑ برف سے ڈھکا ہوا ہے اِس پہاڑ پر ایک سال کی برف دوسرے سال تک رہتی ہے۔ کوئی برس ایسا نہ ہوتا ہوگا جس میں اس سال کی برف اگلے سال تک نہ رہتی ہو کابل کے برف خانوں میں اگر برف ختم ہوجاتی ہے تو اِسی پہاڑ سے لائی جاتی ہے اور پانی ٹھنڈا کرکے پیا جاتا ہے۔ یہ پہاڑ کابل سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں کے گاؤں اکثر پہاڑ کے دامن میں ہیں یہاں انگور بلکہ ہرقسم کا میوہ ڈھیروں ہوتا ہے۔ برف کا پہاڑ کوہ پغمان کہلاتا ہے اس کے بیچ میں ایک بڑی ندی ہے جس کے دونوں طرف سبزاور پُرفضا باغات ہیں اس کا پانی ایسا ٹھنڈا ہے کہ برف کی ضرورت نہیں ہوتی پانی بہت صاف ہے اس جگہ ایک بڑا باغ ہے جس کو اُلغ بیگ مرزا نے چھین لیا تھا میں نے اس کے مالکوں سے قیمت دے کر لیا۔ باغ کے باہر چنار کے بڑے بڑے درخت ہیں اُن کے سایہ کے نیچے سبزہ زار ہیں باغ میں ایک نہر جاتی ہے پہلے یہ نہر ٹیڑھی تھی میں نے

اس کو درست کرایا اس کے قریب بلوط کے درخت بھی ملتے ہیں۔
ایک ملک غزنی ہے بعض اُس کو تومان کہتے ہیں۔سبکتگین سلطان محمود اور اس کی اولاد کی راجدھانی غزنی ہی تھا۔ یہ ملک بھی بہت بڑی دولت کا مالک ہے۔ یہ ملک کابل سے ۱۴ فرسنگ کے راستہ پر ہے اگر اسس راستہ سے صبح سویرے ہی چلیں تو ظہر عصر کے درمیان کابل پہنچ جاتے ہیں۔ آدینہ پور کا راستہ تیرہ فرسنگ ہے کابل کے انگور سے غزنی کا انگور اچھا ہوتا ہے۔ غزنی کے خربوزے بھی بہت اچھے ہیں۔ سیب بھی اچھے ہوتے ہیں۔ اِن سیبوں کو ہندستان لے جاتے ہیں۔ کھیتی باڑی مشکل سے ہوتی ہے۔ جتنی زمین جوتی جاتی ہے اس پر ہر سال مٹی ڈالتے ہیں۔ یہاں کی کھیتی باڑی کی آمدنی بھی بہت زیادہ ہے روین بوئی جاتی ہے اور اس کو ہندستان لے جاتے ہیں۔ غزنی کے رہنے والوں کی آمدنی کا ذریعہ یہی ہے یہاں مہنگائی نہیں ہے بلکہ ہر چیز سستی ملتی ہے۔ یہاں کے رہنے والے سیدھے سادے مسلمان ہیں اور حنفی ہیں۔ ان میں ایسے لوگ بہت ہیں جو تین تین ماہ کے روزہ رکھتے ہیں۔ عورتیں پردہ کرتی ہیں یہاں کے بزرگوں میں ایک ملا عبدالرحمٰن تھے۔ یہ عالم تھے ہر وقت پڑھتے رہتے تھے ان کا انتقال اسی سال ہوا جس سال ناصر مرزا کا ہوا، سلطان محمود کی قبر بھی یہیں ہے جہاں سلطان کی قبر ہے اس علاقہ کو روضہ کہتے ہیں۔ سلطان مسعود اور سلطان ابراہیم کی قبریں بھی یہیں ہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ غزنی میں ایک مزار ہے اگر اس پر درود پڑھو تو وہ ہلنے لگتا ہے۔

لے۔ تومان اس حصہ ملک کو کہتے ہیں جو ایک بڑے علاقہ کے تحت ہو۔

میں نے اس کو جاکر دیکھا قبر ہلتی ہوتی معلوم ہوتی۔ معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ وہاں کے مجاوروں کی (دیکھ بھال کرنے والے) چالاکی ہے قبر کے اوپر ایک جال سا بنایا ہے جب وہ جال پر چلتے ہیں تو وہ ہٹتا ہے اور اس کے ہلنے سے قبر بھی ہلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے میں نے اس جال کو اکھاڑ دیا اور گنبد بنوا دیا۔

غزنی چھوٹا سا شہر ہے تعجب ہے کہ بادشاہوں نے اسے اپنی راجدھانی کیوں بنایا۔ کابل کے مشرق اور مغربی پہاڑ ایک سے ہیں بدخشاں کے سارے پہاڑ سرسبز ہیں اور ان میں چشمے بہت ہیں پہاڑوں پر اور ٹیلوں پر برابر گھاس پیدا ہوتی ہے۔ یہ گھاس گھوڑوں کو بہت اچھی لگتی ہے اندجان کے علاقہ میں اس گھاس کو بوتکہ کہتے ہیں ان پہاڑوں میں ہندستان کے جانور جیسے طوطا۔ مینا۔ مور۔ بندر۔ نیل گائے۔ بہت ہوتے ہیں ان جانوروں کے علاوہ دوسرے اور قسم کے جانور اور پرندے بھی ہوتے ہیں جو ہندستان میں سنے بھی نہیں گئے۔ کابل کے مغرب کے پہاڑ ایک روش کے ہیں۔ یہاں کھیتی ہوتی ہے ان پہاڑوں میں ہرن بہت ہوتے ہیں دریا مضبوط دروں سے بہتے ہیں۔ میدانوں میں گھاس خوب ہوتی ہے یہاں درخت کم ہیں جنگل کی لکڑی اچھی نہیں ہوتی یہاں سردی بہت پڑتی ہے اس سردی کو دور کرنے کے لیے ایندھن کام میں لاتے ہیں بلوط، جنجک، بادالچہ کی لکڑی ہوتی ہے ان سب میں جنجک بہت عمدہ ہے اس کی لکڑی دھڑ دھڑ جلتی ہے اس کے دھوئیں میں خوشبو ہوتی ہے چنگاریاں دیر تک سلگتی رہتی ہیں اس کی لکڑی گیلی بھی جل جاتی ہے بلوط بھی اچھا ایندھن ہے جلنے میں

دھواں بہت ہوتا ہے مگر بھڑک جاتا ہے اس کا کوئلہ بہت اچھا ہوتا ہے
دھوئیں میں خوشبو ہوتی ہے بلوط کے درخت میں ایک خاص بات یہ ہے
کہ اس کی ہری ٹہنی کو بھی جلائیں تو سرے سے پاؤں تک دھڑ دھڑ جلنے لگتی
ہے اور چٹر پٹر کی آواز دیتی ہے اس درخت کا جلنا بڑا تماشہ معلوم
ہوتا ہے۔

بہار کے موسم میں ان علاقوں میں لال ہرنوں کی ڈاریں ہوتی ہیں
شوقین لوگ پلے ہوئے شکاری کتوں کو لے جاتے ہیں اور ڈاروں کو
گھیر کر شکار کھیلتے ہیں۔ سفید ہرن بالکل نہیں ہوتا غزنی میں سفید ہرن
بہت ہوتے ہیں۔ بہار کے موسم میں کابل بہت عمدہ شکار گاہ ہے۔ دریائے
باراں کے کنارے پر جاڑے کے موسم میں مرغابیاں بہت آتی ہیں جو
خوب موٹی تازی ہوتی ہیں کلنگ اور قرقرے وغیرہ بڑے بڑے
جانور آتے ہیں۔

دریائے باراں کے کنارے پر کلنگوں کے لیے طناب ڈالتے ہیں
اور طناب سے بے شمار کلنگ پکڑ لیتے ہیں بگلوں۔ قرقروں کو بھی اسی
طرح پکڑتے ہیں اس طناب سے پکڑنے کی ترکیب یہ ہے کہ پہلے ایک
مہین رسی جو ایک گز کی ہوتی ہے تانتے ہیں رسی کے ایک سرے پر
ایک گز اور دوسرے سرے کی طرف شاخ سے بنی ہوئی چھڑی تان دیتے
ہیں رسی کو اس شاخ پر لپیٹ دیتے ہیں جو جانور سامنے سے اڑتے
ہوئے آتے ہیں ان کی طرف گز کو پھینکتے ہیں اگر جانور کی گردن پر وہ
گز پڑ گیا تو جانور اس میں لپٹ کر پھنس جاتا ہے دریائے باراں کے
کنارے لوگ اسی طرح جانور پکڑتے ہیں مگر اس طرح جانور پکڑنا بڑی

محنت کا کام ہے۔ اسی موسم میں دریائے باراں میں مچھلی بھی آتی ہے مچھلی پکڑنے کی بہت دلچسپ ترکیب ہے۔ ایک تو جال ڈال کر مچھلی پکڑی جاتی ہے اور دوسرے جاڑوں کے دنوں میں ایک گھاس ہوتی ہے اسے تو لان کہتے ہیں اس گھاس کے گٹھے بناکر پانی میں ڈال دیتے ہیں اس کی خوشبو پر مچھلیاں تیزی سے آتی ہیں اور آسانی سے پکڑی جاتی ہیں۔ بعض مرتبہ چیغ باندھی جاتی ہے چیغ باندھنا اس کو کہتے ہیں کہ انگلی کے برابر نال کے چھپے بناکر ایسی جگہ ڈالتے ہیں جہاں سے پانی نیچے گرتا ہو۔ مچھلیاں اس چیغ پر آتی ہیں اور پکڑلی جاتی ہیں۔ ایک دوسری ترکیب بھی ہے وہ یہ کہ جس مقام پر پانی اوپر سے نیچے کی طرف گرتا ہے اس کے برابر جگہ جگہ گڑھے کرکے چولہے کے پایہ کی طرح پتھر ان گڑھوں پر رکھ دیتے ہیں ان پر اور پتھر چن دیتے ہیں نیچے کی طرف پانی میں ایک دروازہ سا بنا دیتے ہیں اور پتھر اس طرح چنتے ہیں کہ جو چیز اس کے اندر آجائے وہ بغیر اسی دروازہ کے کسی اور طرف سے نکل ہی نہ سکے اُن چنے ہوئے پتھروں کے اوپر سے پانی بہتا ہوا جاتا ہے گویا اس طرح وہ مچھلیوں کے لیے ایک گھر بنا دیتے ہیں جب جاڑے کے موسم میں مچھلیوں کی ضرورت ہوتی ہے تو ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے کو کھولا اور مچھلیاں لے آتے ایک ایسا جال بھی بچھاتے ہیں کہ کسی خاص جگہ گڑھا کھود دیتے ہیں اس کے منھ کے علاوہ سب طرف پرال باندھ دیتے ہیں اور اس کے پانی پر پتھر رکھ دیتے ہیں اور اس کا منھ تنگ کردیتے ہیں اس کے اندرونی منھ سے مچھلی اندر آجاتی ہے اور وہ پھر باہر نہیں نکل سکتی مچھلی پکڑنے کے ایسے طریقے پھر دکھائی نہیں دیتے۔ جب کابل فتح کرچکا تو چند روز بعد ان ہی امرا پر جو جہان

تھے کابل تقسیم کر دیا یہ لوگ میرے ساتھ تکلیفوں اور مصیبتوں میں مارے مارے پھرتے تھے ان میں سے کسی کو گاؤں کسی کو زمین وغیرہ دی ملک کسی کو نہیں دیا کچھ اسی وقت نہیں بلکہ جس وقت خدا نے مجھ کو دولت دی میں نے مہمانوں اور اجنبی امراء کو بابریوں سے بہتر سمجھا مگر باوجود اس کے غضب یہ ہے کہ ہمیشہ لوگ مجھ پر طعن کرتے رہے کہ سوائے بابریوں کے کسی کے ساتھ سلوک نہیں کیا خیر ترکی مثل مشہور ہے دشمن کیا کچھ نہیں کہتا اور خواب میں کیا کیا نظر نہیں آتا۔

جب میں کابل میں آگیا تو دریاخاں کا بیٹا یار حسین بھیرہ سے میرے پاس آیا۔ چند روز بعد میرا ارادہ فوج کشی کا ہوا جو لوگ ملک کے حالات سے واقف تھے ان سے چاروں طرف کا حال دریافت کیا بعض نے تو دشت کی طرف چلنے کی صلاح دی بعض نے ہندستان کی صلاح دی۔

ہندستان کا سفر

آخر ہندستان پر حملہ کرنے کی ٹھہری، شعبان کے مہینہ میں کابل سے ہندستان کا رخ کیا۔ گرم ملک اور نواح ہندستان کو کبھی دیکھا ہی نہ تھا یہاں پہنچتے ہی دوسرا عالم نظر آیا، چوپائے اور قطع کے، پرندے دوسری وضع کے۔ قوموں اور قبیلوں کی رسمیں اور کچھ۔ ایک حیرت پیدا ہوگئی اور حقیقت میں حیرت کی جگہ ہے۔ خیبر سے دو تین کوچ کے بعد جام میں اترا۔ یہاں کورک تیری بہت اہم جگہ ہے یہ مقام ہندوؤں اور جوگیوں کا مندر ہے وہ لوگ دور دور سے آکر اس مقام کی تیرتھ کرتے ہیں، سر اور ڈاڑھی منڈاتے ہیں۔ یہاں سے دریائے سندھ پار کرنے

کا ارادہ کیا لیکن باقی چغانیانی نے عرض کی کہ دریا کو پار نہ کریں یہیں سے ٹھہر کر کھت ایک جگہ وہاں چلنا چاہیے۔ کھت دو دن اور دو رات رہے۔ کھت سے ہنگویا کے راستہ سے بنگش کے اوپر کی طرف چلے۔ کھت اور ہنگویا کے بیچ ایک درّہ ہے جس کے دونوں جانب پہاڑ ہیں۔ راستہ درّہ میں سے ہے کوچ کرنے کے بعد درّہ میں آتے ہی کھت اور اس نواح کے سارے افغان اکٹھے ہو کر پہاڑوں پر جو درّہ کے دونوں طرف ہیں آموجود ہوئے لگے سواروں کو مارنے اور غل مچانے۔ ملک ابوسعید جس کو ان افغانوں کا حال خوب معلوم تھا اس حملہ میں رہبر تھا اس نے کہا کہ یہاں سے آگے بڑھ کر ایک پہاڑ ہے اگر افغان وہاں آجائیں تو انھیں گھیر کر پکڑا جا سکتا ہے خدا کی قدرت افغان ہم سے لڑتے ہوئے اسی پہاڑ پر آگئے۔ ہمارے آدمیوں نے حملہ کیا ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ ایک وقت میں سو ڈیڑھ سو افغانوں کو گھیر لیا بہت سوں کے سر کاٹ لیے اور بعض کو زندہ گرفتار کر لیا۔ افغانوں کا قاعدہ ہے کہ جب ہارتے ہیں تو دشمن کے آگے تنکہ منھ میں لیتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تمھارے آگے تنکے کی مانند ہیں یہ رسم یہیں دیکھی ہمارے سامنے بھی افغانوں نے عاجز ہو کر تنکے منھ میں لے لیے۔ جو زندہ گرفتار ہوتے ان کے لیے حکم دیا کہ سب کو قتل کر دو اور ان کے سروں سے اِس منزل پر مینار چُن دو۔ اس سے آگے بڑھے تو بنگش اور بنوں کا پہاڑ ہے اس کے جنوب میں چوپارہ اور دریائے سندھ ہے۔ مشرق میں دینکوٹ ہے مغرب میں دشت ہے جس کو بازار وتاک بھی کہتے ہیں چونکہ دشت میں کوئی دریا ایسا نظر نہ آیا جس میں پانی ہو اس لیے ایک خشک تالاب کے کنارہ پر اترے۔ لشکر والوں نے

ترائی کو کھود کھود کر اپنے گھوڑوں اور مویشی کے لیے پانی نکالا۔ یہ ایسا مقام ہے کہ گز یا ڈیڑھ گز کھود نے سے پانی نکل آتا ہے اسی ترائی پر منحصر نہیں ہندستان کی تمام ندیوں کے کناروں کا یہی حال ہے کہ گز بھر یا ڈیڑھ گز کھودا اور پانی نکل آیا۔ ہندستان میں یہ عجیب بات ہے کہ سوائے دریا کے پانی جاری نہیں رہتا اور اس کی ندیوں کے کناروں پر اسی طرح پانی قریب نکل آتا ہے۔ دشت میں تو کہیں سے بکریاں اور کہیں سے کپڑا وغیرہ اہل لشکر کے ہاتھ آیا بھی تھا مگر اس سے نکل کر سوائے گایوں کے اور کچھ نہیں تھا دریائے سندھ کے اس کنارے کے سفر میں یہ حال ہوا کہ تین تین چار چار سو گائیں ایک ایک سپاہی کے پاس ہوگئیں مگر جیسی لاتے تھے زیادتی کے سبب سے ویسی ہی چھوڑ دینی پڑیں تین منزل تک اسی دریا کے کنارہ پر چلنا پڑا تین منزل کے بعد مزار پیر کانو کے سامنے دریائے سندھ سے علیحدہ ہوئے۔ مزار پیر کانو میں اترے چونکہ بعض سپاہیوں نے وہاں کے مجاوروں کو ستایا تھا اس لیے میں نے ان میں سے ایک کو یہ سزا دی کہ ٹکڑے ٹکڑے کرادیا۔ ہندستان میں یہ مزار بہت متبرک ہے اس پہاڑ کے دامن میں ہے جو کوہ سلیمان سے ملا ہوا ہے یہاں سے کوچ کیا اور پہاڑ کے اوپر اترے یہاں سے چل کر ایک گاؤں میں جا پہنچے۔ دریائے سندھ کے اس طرف اگرچہ دریا کے کنارہ کے پار اتر کر ہری گھاس نہ ملی مگر گھوڑوں کے لیے دانہ اور گھاس کی کمی نہ تھی ان منزلوں پر گھوڑے تھکنے لگے۔ اس منزل پر رات کو بارش ایسی ہوئی کہ پانی چھولداریوں میں سامان تک چڑھ گیا۔ کمبلوں کو بچھا بچھا کر اس پر بیٹھے ساری رات یونہی تکلیف سے گزر کر صبح ہوئی غزنی تک بڑی پریشانی

رہی۔ دو منزل کے بعد ایک ٹھہرے ہوئے دریا کے پاس پہنچے۔ عجیب دریا دکھائی دیا۔ دریا کے اُس طرف کا جنگل نظر نہ آتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ پانی آسمان سے ملا ہوا ہے۔ ادھر کے پہاڑ اور پشتے ایسے دکھائی دیتے تھے جیسے سراب (دھوکا)، ہو کوئی کوس بھر دریا پر چلے تھے کہ ایک اور عجیب تماشہ دکھائی دیا یعنی اس دریا اور آسمان کے بیچ میں ہر وقت ایک سرخ سی چیز دکھائی دیتی ہے اور پھر غائب ہو جاتی ہے۔ قریب پہنچنے تک یہی نظارہ رہا پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ قاز ہیں دس بیس ہزار سے زیادہ ہوں گی اڑنے اور پھڑ پھڑانے کے وقت ان کے لال لال پر کبھی دکھائی دیتے ہیں اور کبھی چھپ جاتے ہیں نہ صرف یہی جانور بلکہ ہر قسم کے جانور بے شمار اس دریا کے کنارے پر تھے اِن کے انڈے ڈھیروں جگہ جگہ کنارہ پر پڑے ہوتے تھے۔ یہ ندی خشک ندی ہے اس میں بالکل پانی کا نام نہیں ہوتا میں کئی بار اس طرف سے گزرا ہوں میں نے کبھی اس ندی میں پانی جاری نہیں دیکھا لیکن اس مرتبہ موسم بہار کی بارش کا یہاں اتنا پانی تھا کہ گھاٹ معلوم نہ ہوتا تھا اس ندی کا پاٹ تو بہت بڑا نہیں ہے لیکن یہ گہری بہت ہے تمام گھوڑوں اور اونٹوں کو تیرا کر پار اُتارا اور باقی تمام سامان کو رسیوں سے باندھ کر کھینچا۔ یہاں سے غزنی آئے اور جہانگیر مرزا کے یہاں دو روز مہمان رہے۔ یہاں سے چلے اور ذی الحجہ کے مہینہ میں کابل آگئے۔

اس جاڑے میں ایک مرتبہ ترکلانی کے افغانوں پر حملہ کے لیے گیا اس کے بعد میں نے خسرو شاہ سے مقابلہ کیا اور اس کا سرکات کر شیبانی خاں کے پاس بھیجدیا۔ میرے پاس اسی کے ملازم زیادہ تھے ان میں سے اچھے اچھے مغل سردار اس کی طرف ہوگئے تھے۔ خسرو شاہ کے قتل سے سب

پھر واپس آگئے۔

۹۱۱ ہجری کے شروع ہی میں محرم کے مہینہ میں میری والدہ قتلق نگار خانم بیمار ہوئیں ایک خراسانی طبیب کا علاج ہوا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا چھ دن کے بعد پیر کے دن ان کا انتقال ہوگیا۔ دامنِ کوہ میں اُلغ بیگ مرزا نے ایک باغ بنایا تھا جس کا نام باغ نوروزی تھا اس کے وارثوں کی اجازت سے اس باغ میں دفن کیا۔ کچھ دن سوگ میں گزرے اس کے بعد قندھار پر حملہ کیا۔ چلتے چلتے اور منزلیں طے کرتے کرتے مرغزار قوس نادر میں ہم اترے مجھے بخار چڑھا۔ بڑی شدت سے جاڑا آیا ایسی بے ہوشی اور غشی تھی کہ گھڑی گھڑی مجھے چونکاتے تھے اور پھر آنکھ بند ہو جاتی تھی پانچ چھ دن کے بعد ذرا افاقہ ہوا اسی عرصہ میں ایسا زلزلہ آیا کہ قلعہ کی فصیل، شہر کے مکانات اور پہاڑوں کی چوٹیاں ٹوٹ گئیں لوگ تہ خانوں میں اور کوٹھوں پر مرے کے مرے رہ گئے۔

ہندستان کی جانب دوسرا حملہ

۹۳۲ ہجری میں ماہ صفر جمعہ کے دن پہلی تاریخ کو میں نے ہندستان کی طرف کوچ کیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد مغرب میں جو مرغزار ہے وہاں رُکے لشکر جمع کرنے کے لیے دو دن تک یہیں قیام کیا۔ یہاں سے چل کر رات گزرنے کے بعد بادام چشمہ پر اترے اس منزل پر میں نے معجون کھائی بدھ کے دن جب دریائے باریک پر ہم آکر ٹھہرے تو خواجہ حسین دیوان لاہور نے چوبیس ہزار شاہرخی کے برابر سونا کچھ اشرفیاں اور روپے نوربیگ کے ہاتھ بھیجے تھے وہ پہنچے جمعہ کے دن آٹھویں تاریخ میں مجھے جاڑے سے

بخار چڑھا الحمد للہ کہ جلدی سے اترگیا۔ ہفتہ کے دن باغ وفا میں اترے
ہمایوں اور اس کے لشکر کے انتظار میں کئی دن باغ وفا میں ٹھہرنا ہوا۔
یہاں مے نوشی کا شغل رہا۔ شراب نہ پی تو معجون کھائی۔ وقت مقررہ پر
نہ آنے سے ہمایوں کو کئی خط بھیجے تاکید کی اور بہت سخت وسست الفاظ
لکھے۔ ہفتہ کے دن سترہویں تاریخ کو ہمایوں آیا تاخیر کے سبب سے اس
کو ڈانٹا پھر وہاں سے کوچ کیا اور علی مسجد میں ٹھہرنا ہوا اس منزل کا پڑاؤ
تنگ ہے اس واسطے میں ہمیشہ یہاں ٹیلے پر اترتا ہوں اور لشکر گھاٹی
میں اترتا ہے اب بھی یہی ہوا۔ رات کو اہل لشکر نے الاؤ لگاتے تو عجیب
خوبی کے ساتھ چراغ جلتے ہوئے معلوم ہوئے جب اس منزل میں اترنا
ہوا ہے تو اسی لطف کے سبب سے شغل ہوا۔ اگلے دن میں نے روزہ
رکھ لیا۔ بگرام کے پاس خیمے پڑے دوسرے دن یہیں قیام کیا اور شکار
کھیلنے گیا۔ بگرام کے آگے سے دریائے سیاہ کے پار ہوکر دریا کے اُدھر گھیرا
ڈالا۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ پیچھے سے کسی نے آکر خبردی کہ بگرام کے پاس
جھاڑی میں گینڈے آموجود ہوئے ہیں۔ ہم وہاں سے گھوڑے دوڑاتے
ہوئے پہنچے۔ پہنچتے ہی گھیرا ڈال دیا۔ غل مچایا تو وہ میدان میں نکل آئے
اور بھاگنے لگے ہمایوں نے اور ان لوگوں نے جو اُدھر سے آئے تھے کبھی
گینڈے کو نہ دیکھا تھا ان کا خوب تماشا دیکھا۔ کسی گینڈے نے کسی آدمی یا
گھوڑے پر حملہ نہ کیا۔ ہم نے ان کا پیچھا کرکے بہت سوں کو تیروں سے مارا
بہت دن سے دل میں تھا کہ اگر ہاتھی کو گینڈے کے سامنے کریں تو دیکھیں
کس طور سے مقابلہ کرتے ہیں اس مرتبہ فیل بان ہاتھیوں کو لے آئے ایک
گینڈے سے مقابلہ ہوا جیسے ہی فیل بان ہاتھی کو لائے گینڈا سامنے سے

بھاگ گیا۔

اس دن بجہآم میں رہے اور امیروں بخشیوں اور صاحبوں کے چھ سات حصّہ کرکے ان کو لشکر کا جائزہ لینے اور گنتی کرنے کے لیے مقرر کیا اسی رات کو مجھ کو جاڑے سے بخار آیا اور کھانسی کے ساتھ خون آیا بہت فکر ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ دو تین دن میں ٹھیک ہوگیا۔ ۲۸ تاریخ کو دریائے سندھ کے کنارے پر لشکر اترا۔ دریا کے کنارے خیمے لگائے لشکر کا جائزہ لینے والوں نے بتایا کہ سب ملاکر بارہ ہزار آدمی ہیں۔ اس سال یہاں بارش کم ہوئی تھی۔ شہر کے قریب پہاڑ کے دامن میں کافی بارش ہوگئی تھی۔ غلہ کے خیال سے سیالکوٹ کے راستہ سے روانہ ہوئے۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ دیکھا کہ ایک ندی میں ہر جگہ پانی ٹھہرا ہوا ہے یہ سارا دریا برف کی مانند تھا۔ برف زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ اونچی ہوگی مگر ہندستان میں تو اتنی برف بھی عجیب بات ہے۔ کئی سال سے میں ہندستان میں آتا ہوں لیکن برف کئی برس میں ابھی دیکھنے میں آئی غرض سندھ سے پانچ منزل چل کر چھٹی منزل میں بال ناتھ جوگی کا پہاڑ ہے اس کے نیچے ایک ندی کے کنارے پر لشکر اترا۔ دوسرے دن غلہ لینے کے لیے وہیں قیام کیا ملا محمدی نے بہت باتیں بنائیں کبھی اتنی بکواس اس نے نہ کی ہوگی ملا شمس نے بھی اسی طرح مغز کھایا ایک بات شام سے جو چھیڑی تو صبح تک ختم نہ کی سپاہی وغیرہ غلہ لینے گئے تھے غلہ کو چھوڑ جھاڑیوں پہاڑوں اور دوسرے مقامات میں منہ اٹھائے جا گھسے کئی آدمی ختم ہوگئے پھر جہلم کی طرف چلے سیالکوٹ سے سب لاہور چلے گئے تھے میں نے ان لوگوں کے پاس جو لاہور میں تھے

گھوڑوں کی ڈاک بٹھاکر دوڑا دیا اور کہلا بھیجا کہ جنگ نہ کرو سیالکوٹ
میں میرے پاس چلے آؤ۔ افواہ یہ تھی کہ غازی خاں نے تیس چالیس
ہزار فوج جمع کی ہے اور اپنی کمر میں دو تلواریں باندھی ہیں وہ ضرور
مقابلہ کرے گا۔ مجھے خیال ہوا کہ مثل مشہور ہے "نو سے دس اچھے" جو لوگ
لاہور میں ہیں ان کو ساتھ لے کر لڑنا بہتر ہے۔ اسی وجہ سے امراء کے
پاس آدمی روانہ کیے۔ ہم ایک منزل چل کے دریائے چناب کے کنارے
اترے۔ بہلول پور خالصہ میں ہے راستہ میں اس کی سیر کرنے گیا اس
کا قلعہ دریائے چناب کے کنارے پر اونچی جگہ واقع ہے اور مجھے بہت
ہی پسند آیا دل میں آئی کہ یہاں سیالکوٹ والوں کو آباد کرنا چاہیے
بہلول پور سے میں کشتی میں بیٹھ کر واپس ہوا۔ گھوڑوں کو آرام دینے
کے لیے ایک دن دریا کے کنارے پر رُکے، جمعہ کے دن چودھویں
ربیع الاوّل کو پھر سیالکوٹ میں آگئے۔ جب ہندستان سے گئے۔
تو یہ ہوا کہ گائیں بھینسیں لوٹنے کے لیے سیکڑوں جاٹ اور گوجر
پہاڑ اور جنگل سے آگئے۔ پہلے یہ ملک پرایا تھا کچھ انتظام نہ کیا جاتا تھا اب
کی بار یہ سب اپنا ہے۔ اب جو ایسا ہوا تو بہت سے بھوکے ننگے غریب
محتاج فریاد کرتے ہوئے آئے۔ غل مچ گیا جن لوگوں نے لوٹ مار کی تھی اُن
کی تلاش کی گئی دو تین کو ان میں پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا۔ اسی منزل پر ایک
سوداگر آیا عالم خاں نام تھا۔ عالم خاں ہندستان میں آیا اور جو امراء
ہندستان میں تھے ان سے اس نے کہا کہ بادشاہ نے تم لوگوں کو میری
کمک کے لیے مقرر کیا تم میرے ساتھ چلو غازی خاں کو بھی ساتھ لو لنگا اور
دلّی پر چڑھائی کروں گا۔ سب نے منع کیا لیکن وہ نہ مانا اِن کے پاس تیس

چالیس ہزار آدمیوں کا لشکر جمع ہوگیا۔ ان لوگوں نے دِلّی کو گھیر لیا، لڑائی تو نہیں ہوئی البتہ یہ شہر والوں کو تنگ کرنے لگے۔ سلطان ابراہیم اس لشکر کی خبر سنتے ہی مقابلے کے لیے چل کھڑا ہوا جب وہ قریب آگیا تو یہ لوگ بھی قلعہ چھوڑ کر سامنے آئے انھوں نے سوچا کہ اگر دن کو لڑیں گے تو پٹھان آپس کی غیرت سے بھاگ نہیں سکتے اور اگر شب خون ماریں گے تو رات کو کوئی کسی کو دیکھتا نہیں ہر سردار اپنا راستہ لے گا۔ یہ سوچ کر تقریبًا ہ کوس سے شب خون مارنے چلے دو دفعہ اسی مقصد سے دوپہر کو اپنی جگہ سے سوار ہوتے اور آدھی رات تک گھوڑوں کی پیٹھوں پر رہے مگر نہ آگے بڑھے اور نہ پیچھے ہٹے نہ کوئی بات قرار دے سکے۔ تیسری دفعہ پھر رات آئی کہ شب خون مارنے چلے ہیں اِن کا شب خون مارنا یہی تھا کہ خیموں، ڈیروں میں آگ لگا دیں غرض آدھی رات گئے پیچھے سے آئے اور آگ لگا کر غل مچا دیا۔ سلطان ابراہیم اپنے لشکر کے ساتھ رات بھر جاگتا تھا اور وہیں صبح کر دیتا تھا۔ عالم خاں کی فوج لوٹ مار میں مصروف ہوگئی۔ دشمن کا لشکر دریائے راوی کے کنارے پر لاہور کی طرف تھا۔ رات کو سن گن لینے بھیجی معلوم ہوا کہ دشمن کا لشکر ہیں دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

پانی پت کی لڑائی

۹۳۲ھ ہجری مطابق ۲۶ء ۱۵ جمعرات کا دن تھا جمادی الآخر کی آخری تاریخ تھی جب پانی پت پہنچے تھے۔ آخر پانی پت کے میدان میں فوجیں جمع ہوگئیں۔ سویرے اطلاع ملی کہ دشمن سیدھا چلا آتا ہے۔ ہم بھی تیار ہو کر سوار ہوئے ہمایوں ساتھ تھا۔ چاروں طرف مختلف امراء کو فوج کی ذمہ داری

دی۔ سلطان ابراہیم کی فوج جو دور سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ وہ قدم اٹھائے چلی آتی تھی۔ ہماری فوج میں دشمن کی فوج کی آمد کو دیکھ کر کھل بلی مچی کہ ٹھہریں یا نہ ٹھہریں مقابلہ کریں یا نہ کریں موقع کی بات کرنی چاہیے ایسوں سے مقابلہ ہے جو بے خوف چلے آتے ہیں میں نے حکم دیا کہ تیر مارنے شروع کریں اور لڑائی میں مشغول ہوں۔ مہدی خواجہ سب سے آگے پہنچا۔ مہدی خواجہ کے مقابلہ میں کچھ فوج ایک ہاتھی لیے ہوئے آئی مہدی خواجہ نے تیروں کی بھرمار سے اس فوج کا منھ پھیر دیا۔ اس کے بعد گھمسان کی لڑائی ہونے لگی غبار ایسا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھتا تھا۔ سورج ایک نیزہ بلند ہوا ہوگا کہ دشمن ہارنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک ایسا مشکل کام آسان کیا کہ وہ بے شمار لشکر دوپہر کے عرصہ میں خاک میں مل گیا۔ پانچ چھ ہزار آدمی تو سلطان ابراہیم کے ساتھ ایک جگہ مارے گئے باقی ہر جگہ لاشیں ہی لاشیں تھیں۔ ہم نے اپنی جگہ اس وقت مرنے والوں کا اندازہ پندرہ سولہ ہزار آدمی کا کیا مگر آگرے میں ہندوستانیوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اس لڑائی میں پچاس ساٹھ ہزار فوج کام آئی۔ ہم آگے بڑھے جو امراء آگے بڑھے تھے وہ بھاگتے ہوئے افغانوں کو پکڑ لاتے۔ ہاتھیوں کے غول کے غول ان کے ہانکنے والوں کے ساتھ گرفتار کر کے لاتے اور نذر کیے۔ میں ابراہیم کے لشکر میں آیا اور اس کے خیموں ڈیروں کو دیکھا۔ ظہر کے وقت طاہر طیبزی نے ابراہیم کی لاش بہت سی لاشوں میں پڑی دیکھی یہ فوراً اس کا سر کاٹ لایا۔ اسی دن ہمایوں اور دوسرے امراء کو حکم دیا کہ ابھی چلے جاؤ آگرہ پر قبضہ کر لو اور خزانہ ضبط کر لو۔ مہدی خواجہ محمد سلطان مرزا۔ عادل سلطان کو حکم دیا کہ دہلی چلے جاؤ اور وہاں کے

خزانوں کی حفاظت کرو۔ دوسرے دن ہم کوس بھر چلے اور گھوڑوں کو آرام دینے کے لیے جمنا کے کنارے پر ڈیرے ڈال دئے پھر دہلی میں داخل ہوئے۔

دہلی میں آنا اور خطبہ پڑھوانا

سب سے پہلے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے مزار کی زیارت کی۔ دلی کے قریب جمنا کے کنارے پر اترے بدھ کی رات کو دتی کے قلعہ کی سیر کر کے رات وہیں گزاری صبح حضرت خواجہ قطب الدین کے مزار مبارک کی زیارت کی سلطان غیاث الدین بلبن۔ سلطان علاؤالدین خلجی کے مقبرے عمارتوں۔ لاٹھ۔ شمسی تالاب۔ حوض خاص ۔مقبرہ سلطان بہلول۔ مقبرہ سلطان سکندر اور باغ کی سیر کی۔ ولی بیگ کو دتی کا صوبہ دار اور دوست بیگ کو دتی کا دیوان مقرر کیا خزانوں پر مہریں لگا کر ان کے سپرد کردئے۔ جمعرات کو دتی سے کوچ کر دیا اور تغلق آباد کے قریب جمنا کے کنارے پر لشکر اترا جمعہ کے دن یہاں قیام ہوا۔ مولانا محمود یہاں سے شہر گئے دتی کی جامع مسجد میں انھوں نے نماز پڑھی۔ میرے نام کا خطبہ پڑھوایا اور مقبروں کو بہت سا روپیہ تقسیم کر کے واپس آئے ہفتہ کو یہاں سے چلے میں نے تغلق آباد کی سیر کی اور آگرہ چلے گئے۔ جمعہ کے دن بائیسویں رجب کو آگرہ پہنچے اور سلیمان فرملی کے مکان پر اترے یہ مقام شہر سے بہت دور تھا۔ ہمایوں وغیرہ پہلے آگئے تھے قلعہ والوں نے قبضہ دینے میں بہانے کیے۔ انھوں نے دیکھا کہ لوگ بہت بگڑے ہوئے ہیں اس لیے تاکید کی کہ خزانوں کو کوئی ہاتھ نہ لگائے اور کوئی باہر نہ

نکلنے پائے۔ یہ انتظام کرکے میرے منتظر رہے۔

کوہ نور ہیرا

بکرماجیت گوالیار کا راجہ تھا۔ سو برس سے اس کے بزرگ وہاں راج کرتے تھے اس کے بچے آگرہ میں رہتے تھے جب ہمایوں آگرہ میں آیا اس کے شہر پر قبضہ کرلیا تھا لیکن وہ قلعہ میں داخل نہیں ہوا۔ بکرماجیت کی اولاد نے ہمایوں کو بہت سے ہیرے نذر کیے اس میں ایک مشہور ہیرا تھا جو سلطان علاؤ الدین لایا تھا۔ اس ہیرے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ ہیرا دنیا کی آدھی آمدنی کے برابر قیمتی ہے اس کا وزن آٹھ مثقال ہے۔ جب میں آیا تو ہمایوں کوہ نور[1] لیکر میرے حضور حاضر ہوا۔ یہ ہیرا میں نے اسے ہی واپس دیدیا۔

آگرہ کے قلعہ میں ابھی تک لودھی فوج موجود تھی۔ ابراہیم لودھی کا خاندان بھی وہیں تھا۔ ان لوگوں نے قلعہ سپرد کرنے سے پہلے کئی شرطیں منوائیں۔ سلطان ابراہیم کی ماں کو سات لاکھ روپیہ نقد پیش کیے ان کے رہنے کے لیے آگرہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر محل دیا اس کے امراء کو جاگیریں دیں اور تب محل میں داخل ہوا۔

---

[1] مغلیہ دربار سے یہ ہیرا رنجیت سنگھ کو ملا وہ لاہور کا راجہ تھا اور وہاں سے انگریزوں کے ہاتھ آیا اب تک یہ ہیرا انگلستان کی ملکہ کے پاس ہے۔

کابل سے ہندستان کی فتح تک کا تفصیلی ذکر

میں نے ۹۱۰ ھجری میں (۱۵۰۴ء) کابل فتح کیا اس وقت میری یہ خواہش تھی کہ ہندستان پر حملہ کرکے اُسے فتح کروں لیکن کبھی تو میرے بھائیوں کی دشمنی رکاوٹ بن گئی اور کبھی میرے اپنے امراء نے اسے منع کیا لیکن اب یہ دونوں باتیں ختم ہوچکی تھیں۔ کابل کی فتح سے ۱۵ سال بعد میں نے ۹۲۵ ھجری میں باجور فتح کیا وہاں سے بھیرے پہنچا اور چار لاکھ شاہرخی خراج لے کر اپنے لشکر میں تقسیم کیا اور پھر کابل واپس روانہ ہوا۔ ۹۲۵ ھجری سے ۹۳۲ ھجری (۱۵۱۹ء سے ۱۵۲۶ء) تک میں نے ہندستان پر پانچ حملے کیے۔ پانچویں بار اللہ نے مجھ پر فضل کیا اور ابراہیم لودھی جیسے بادشاہ پر فتح دی اور ہندستان جیسے ملک کو میرے پاؤں تلے بچھا دیا۔

ادھر کے بادشاہوں میں تین بڑے حملہ آوروں کو کامیاب حملہ آور کہا جاسکتا ہے۔ محمود غزنوی[1] جس کی اولاد نے سیکڑوں سال ہندستان پر حکومت کی، شہاب[2] الدین محمد غوری۔ اس کے رشتہ داروں اور غلاموں نے بھی بہت مدت تک حکومت کی، تیسرا[3] میں ہوں لیکن

مجھے اور ان پہلے بادشاہوں کو ملانا صحیح نہ ہوگا کیونکہ محمود غزنوی نے جب ہندستان پر حملہ کیا تو وہ بہت طاقتور تھا۔ خراسان اور سمرقند کی بادشاہتیں اس کے ساتھ تھیں اور اس کے ساتھ دو لاکھ سپاہی تھے یہی نہیں اس وقت ہندستان میں کوئی ایک مضبوط حکومت قایم نہ تھی۔ چھوٹے چھوٹے راجہ تھے جو ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ شہاب الدین غوری تو خراسان کا مالک نہ تھا لیکن خراسان اس کے بڑے بھائی کے پاس تھا اس لیے اس طرف سے اُسے کوئی خطرہ نہ تھا یوں بھی اس بادشاہ کے بارے میں کتابوں[1] میں یہ لکھا ہے کہ جب شہاب الدین غوری نے ہندستان پر حملہ کیا تھا تو اس کے ساتھ ایک لاکھ آٹھ ہزار سپاہی تھے اور اس کا بھی مقابلہ مختلف بادشاہوں سے تھا۔

میں نے جب بھیرے پر حملہ کیا تو میرے ساتھ صرف ڈیڑھ دو ہزار آدمی تھے اور اب جب کہ ہندستان پر حملہ کیا اور ابراہیم لودھی کو ہرایا ہے تو میری فوج کی کل تعداد بارہ ہزار تھی اور صرف بدخشاں قندھار اور کابل پر میری حکومت تھی۔ ان حکومتوں کی آمدنی بھی بہت تھوڑی تھی مجھے ان علاقوں کو بھی دیکھنا پڑا جو دشمن ملکوں سے قریب تھے۔ ان جگہوں پر مجھے روپیہ بھی بہت خرچ کرنا پڑا۔ ازبک میرے پرانے دشمن تھے ان سے ملے ہوئے علاقہ پر میں نے بہت روپیہ خرچ کیا ان کے پاس ایک لاکھ سپاہی تھے۔

ہندستان میں بھیرے سے لے کر بہار تک افغانوں کا راج تھا

---

[1] طبقات ناصری (یہ اس زمانہ کے حالات کے لیے بہت مشہور کتاب ہے)۔

ابراہیم لودھی کے پاس پانچ لاکھ سے کم فوج نہ تھی۔ وہ جب لڑنے آیا تو اس کے ساتھیوں نے سب فوج کو میدان میں لانے سے روکا اسی لیے وہ پانی پت کے میدان میں ایک لاکھ سپاہی اور ایک ہزار ہاتھی لے کر آیا تھا۔ میں نے صرف اللہ پر بھروسہ کیا اور ابراہیم لودھی جیسے بڑے بادشاہ سے لڑائی لڑی۔ یہ صرف خدا کا احسان اور مہربانی ہے کہ اس نے مجھے ہندستان جیسے ملک کی بادشاہت بخش دی۔

ہندستان

یہ ہندستان جس کی بادشاہت مجھے ملی بہت بڑا ملک ہے۔ اس کی آبادی بھی بہت ہے۔ اس کے مشرق و جنوب اور مغرب کے ایک حصّے تک سمندر ہی سمندر پھیلا ہے۔ شمال میں ہمالیہ پہاڑ ہے جس سے ملے ہوئے کشمیر اور ہندوکش پہاڑ ہیں اس کے شمال مغرب میں قندھار اور غزنی کے علاقے ہیں۔ اس کا سب سے اہم شہر دہلی ہے جب سے سلطان شہاب الدین غوری کا زمانہ شروع ہوا ہے اس وقت سے لے کر فیروز شاہ تغلق کے زمانے تک دہلی ہی راجدھانی رہی اور اسی جگہ سے ان بادشاہوں نے سارے ہندستان پر حکومت کی۔

میں نے جب ہندستان پر حملہ کیا اُس وقت پانچ مسلمان بادشاہ اور ہندو راجہ یہاں حکومت کر رہے تھے۔ یہ راجہ بڑے تھے یوں چھوٹے چھوٹے اور بھی راجہ تھے جن کی آزاد حکومتیں تھیں۔ بڑے بادشاہوں میں پٹھان لودھی تھے جن کی حکومت بھیرہ سے لے کر یہاں تک پھیلی ہوئی تھی لودھی پٹھانوں سے پہلے جون پور میں سلطان حسین شرقی کی حکومت

تھی۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں اس کے باپ دادا دربار میں تھے لیکن
فیروز شاہ کے انتقال کے بعد حسین شرقی نے آزاد حکومت بنالی۔ سلطان
بہلول لودھی اور اس کے بیٹے سکندر لودھی نے جون پور کی آزاد
حکومت ختم کردی جون پور اور دہلی کو ملا دیا۔ میرے آنے سے پہلے سلطان
مظفر گجرات کا بادشاہ تھا وہ بڑا نیک بادشاہ تھا۔ سلطان کا انتقال ہوا
تو انھوں نے گجرات میں آزاد حکومت کا اعلان کردیا۔ دکن میں بہمنی سلطنت
تیسری ہندستانی بادشاہت ہے۔ اس وقت اس حکومت میں جھگڑا پڑا
ہوا ہے اور بادشاہ محض تاش کا یکہ ہے۔ چوتھی بادشاہت مالوہ کی بادشاہت
ہے۔ میرے آنے سے پہلے یہاں محمود حکومت کرتا تھا اس کی حالت بھی
کچھ اچھی نہیں ہے رانا سانگا نے اس کی سلطنت کے بہت سے حصّے اس
سے چھین لیے ہیں۔ پانچویں حکومت بنگال کی ہے یہاں نصرت شاہ کا
سکّہ چلتا ہے اس کے باپ کا نام سلطان علاؤ الدّین ہے وہ سیّدوں
میں سے تھے۔ سلطان علاؤ الدّین سے پہلے بنگال میں ایک حبشی کی
حکومت تھی۔ علاؤ الدّین نے اس کو قتل کرکے حکومت چھین لی تھی بنگالی
حکومت کے بہت وفادار ہوتے ہیں انھیں بادشاہ سے کوئی دلچسپی نہیں
ہوتی جو بھی بادشاہ ہوتا ہے یہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ آج کل نصرت
شاہ کی حکومت ہے اور یہ اسے اپنے باپ علاؤ الدّین سے ملی ہے۔

ہندوؤں میں سب سے بڑا راجہ بیجانگر کا راجہ ہے۔ دوسرا راجہ
سانگا ہے جس نے اپنی عقل مندی اور ہمّت و بہادری سے اپنے راج کو
بڑھایا ہے وہ اصل میں چتوڑ کا راجہ ہے جس نے ہندو بادشاہوں
کی کمزوری سے فائدہ اٹھاکر رنتھمبور۔ رنگ پور اور چندیری اپنے قبضہ میں

کرلیے ہیں۔ ان دونوں ریاستوں کے علاوہ چھوٹی چھوٹی اور بھی ریاستیں ہیں ان میں سے کچھ مسلمان بادشاہوں کے ماتحت ہیں اور بعض آزاد ہیں۔

ہندستان دنیا کے مشہور ملکوں میں سے ہے۔ یہ ہمارے لیے بالکل اجنبی ملک ہے اِس کے پہاڑ۔ اِس کے جنگل۔ اِس کے دریا، جانور، پھل، پھول ہمارے یہاں سے الگ ہیں۔ یہاں کی زبان بھی الگ ہے اور آب وہوا بھی ہمارے یہاں کی آب و ہوا سے میل نہیں کھاتی۔ یہاں کی آب وہوا کابل کے کچھ علاقوں کی طرح گرم ہے لیکن جیسے ہی دریائے سندھ کو پار کرکے ہم ملک کے اِدھر کے حصّہ میں داخل ہوتے ہیں ہر چیز مختلف دکھائی دیتی ہے ہندستان کے شمال کی طرف دریائے سندھ کے دوسری طرف جو پہاڑ ہے وہاں اکثر جگہوں پر لوگ آباد ہیں یہ پہاڑ کشمیر سے لے کر بنگالہ تک بڑھا چلاگیا ہے اور اس میں بےشمار گاؤں دیہات اور شہر آباد ہیں جن میں مختلف قومیں بستی ہیں ہندو اس پہاڑ کو سوالک پربت کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں کیونکہ ہندستانی زبان میں سوا چوتھائی کو لک سوہزار کو اور پربت پہاڑ کو کہتے ہیں یعنی یہ پہاڑ سوالاکھ پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ اِس پہاڑ کے بعض حصّوں پر ہمیشہ برف جمی رہتی ہے لاہور۔ سرہند اور ڈیرہ اسماعیل کے اُونچے مقامات پر کھڑے ہوکر یہ برف دیکھی جاسکتی ہے یہ پہاڑ وہی ہے جو کابل کے علاقے میں پہنچ کر کوہ ہندوکش کا نام پالیتا ہے کابل سے مشرق کی طرف پھیلتا ہوا جنوب کی طرف آگے پھیلتا چلاگیا ہے اِس پہاڑ کے شمال میں تبت اور جنوب میں ہندستان واقع ہے۔ ہندستان کے اکثر دریا ان ہی پہاڑوں سے نکلتے ہیں۔ سرہند سے اِس طرف شمال میں چھ دریاؤں کا راج ہے

جن میں سندھ سب سے بڑا ہے اِس کے بعد چناب۔ جہلم۔ راوی۔ بیاس اور ستلج ہیں یہ سارے دریا ہمالیہ پہاڑ سے پھوٹتے اور پنجاب کے میدانوں کو سیراب کرتے ملتان کے قریب ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں اور وہاں سے سندھ کا نام پاکر ایک ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔

ہندستان کے دریاؤں میں ان کے علاوہ گنگا۔ جمنا۔ کوسی اور گنڈک بھی مشہور دریا ہیں یہ سارے دریا سوالک پہاڑ سے نکلتے ہیں۔ ہندستان کے کئی دریا چنبل۔ بناس۔ بن بوتی اور سون وسطی پہاڑوں سے نکلتے ہیں اور گنگا میں مل جاتے ہیں۔ وسطی ہند کے پہاڑوں پر برف بالکل نہیں جمتی ان میں سے ایک پہاڑ دہلی سے شروع ہوکر جنوب کی طرف میوات کی طرف پھیل گیا ہے میوات سے اس پہاڑ کی بلندی بڑھ گئی ہے۔ سیکری دھولپور۔ گوالیار۔ چتوڑ اور چندیری۔ کے پہاڑ اسی سلسلہ کی مختلف شاخیں ہیں۔ یہ پہاڑ مسلسل نہیں ہیں۔ ان کے بیچ بیچ میں سات سات آٹھ آٹھ کوس تک خالی علاقہ ہے بعض چھوٹے دریا ان پہاڑوں سے بھی نکلتے ہیں۔

جتنے شہر اور میدانی علاقے ہندستان میں ہیں کسی اور ملک میں نہیں ہیں۔ یہاں کے کھیت عمومًا دریاؤں سے سیراب ہوتے ہیں دریاؤں سے نہریں نکال کر شہروں تک پہنچائی گئی ہیں جن کی وجہ سے بعض باغات خوب بھرے بھرے ہیں۔ ہندستان میں خریف کی فصل (دھان جوار وغیرہ) کی کامیابی برسات ہی پر منحصر ہے۔ جب برسات نہیں ہوتی تو فصل خراب ہوجاتی ہے اور پھر ربیع کی فصل (جاڑوں میں خاص چیز گیہوں، چنا وغیرہ) بوئی جاتی ہے۔

پھل اور درختوں کو صرف پہلے دو برس تک پانی دینے کی ضرورت ہوتی ہے اِس کے بعد زمین خود خوراک پہنچاتی ہے۔ سبزیوں کو پانی دینا پڑتا ہے لاہور اور سرہند کے علاقوں میں رہٹ کی مدد سے کھیتی باڑی کی جاتی ہے رہٹ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جتنا گہرا کنواں ہوتا ہے اتنے ہی لمبی رسی کے دو حلقے تیار کرلیے جاتے ہیں پھران حلقوں میں لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اس طرح باندھ دیئے جاتے ہیں کہ دونوں حلقے ایک ساتھ مل جائیں پھران لکڑیوں سے مٹی کی لٹیا باندھ دی جاتی ہیں کنوئیں کے منھ پر جو چرخ لکڑی سے تعمیر کیا جاتا ہے یہ حلقے اِس پر چڑھا دیئے جاتے ہیں بیل جب چرخی کو گھماتے ہیں تو لٹیا کنوئیں کی تہہ میں ڈوب کر پانی سے بھر جاتی ہیں اور پھر گھومتی ہوئی اِدھر آجاتی ہیں اور اوپر کی سطح سے کنوئیں کے منھ پر تالاب نما برتن میں انڈیل دیتی ہیں اور اس طرح پانی نالی میں ہوتا ہوا اپنی جگہ پہنچ جاتا ہے۔ دہلی۔ آگرہ میں زیادہ تر چرس کا رواج ہے چرس کی صورت یہ ہے کہ کنوئیں کے منھ پر ایک دوشاخہ لکڑی گاڑ دی جاتی ہے دونوں شاخوں کے درمیان چرخی لگادی جاتی ہے ایک بڑا سا رسّہ ایک سرے میں ڈول باندھ کر اس چرخی پر چڑھا دیا جاتا ہے دوسرا سرا بیلوں کی جوڑی کے گلے میں پڑے ہوئے جوئے سے باندھ دیا جاتا ہے اس چرس کے لیے بیلوں کی جوڑی کے علاوہ دو آدمی درکار ہوتے ہیں ایک آدمی ڈول کو جب کہ وہ کنوئیں کے منھ پر کھینچ کر پہنچتا ہے نالی میں انڈیلتا ہے دوسرا بیلوں کو ہانکتا ہے بیل جب آتے جاتے ہیں اور ڈول کو کھینچتے ہیں تو رسّہ ان کے گوبر اور پیشاب سے تر ہو جاتا ہے اور یہی کنوئیں میں جاتا ہے اس طرح

اس کا پانی گندا ہو جاتا ہے۔

ہندستانی شہر ایک دوسرے سے بہت ملتے ہیں یہاں باغوں کے چاروں طرف دیواریں بنوانے کا رواج نہیں ہے زیادہ تر باغات میدانی علاقہ میں واقع ہیں برسات کے دنوں میں دریاؤں نہروں اور ندیوں کے کناروں پر جہاں عموماً گھاس اگی ہوتی ہے سخت دلدل ہوجاتی ہے آنا جانا بہت مشکل ہوتا ہے بعض جگہوں پر پانی بھرجاتا ہے اورتالاب کی شکل اختیار کرلیتا ہے ان مقامات کے لوگ ان تالابوں ہی سے اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ یہاں کے شہر اور بستیاں آباد ہیں۔ یہ جلد آباد ہوتے ہیں اور جلد ہی ویران ہو جاتے ہیں۔

اگر یہاں کے لوگ کہیں بسنا چاہتے ہیں تو پہلے کنویں کھودتے ہیں اورتالاب بنالیتے ہیں اور پھر پھونس اور بانس یا لکڑی کی مدد سے جھونپڑیاں کھڑی کرلیتے ہیں نہ دیواریں اٹھانے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور نہ اینٹیں اور پتھر تراشنے کی، دیکھتے ہی دیکھتے بستیاں آباد ہو جاتی ہیں۔

جانور

ہندستان کے جانوروں میں ہاتھی بہت اہم ہے۔ ہاتھی کابلی کے جنگلات سے دستیاب ہوتا ہے۔ جیسے جیسے جنگل کے اندر سفر کیا جائے گا اتنے ہی ہاتھی زیادہ نظر آئیں گے لوگ اسی جنگل سے ہاتھی پکڑتے ہیں آگرہ اور مانک پور کے درمیانی علاقہ کے تیس چالیس گاؤں کے باشندے تو زیادہ تر ہاتھی پکڑنے کا کام کرتے ہیں۔ ہاتھی سدھ جانے کے بعد بڑا وفادار ہوتا ہے جو مالک چاہے وہی کرتا ہے۔ یہ بڑا قیمتی

جانور ہے اس کی قیمت مختلف ہوتی ہے جتنا بڑا ہوا ہوگا اتنی ہی قیمت ہوگی۔ عام طور سے یہاں کے ہاتھی چار گز سے اُونچے نہیں ہوتے یہ جانور سونڈ کے ذریعہ ہی خوراک کھاتا اور اس کے ذریعہ پانی پیتا اور چیزیں پکڑتا ہے اس کے منھ کے اگلے حصہ میں دو بڑے سے دانت باہر کو نکلے ہوتے ہیں ان ہی کے ذریعہ ہاتھی دیواروں کو توڑتا اور درختوں کو اکھاڑ لیتا ہے۔ یہ دانت بہت کام آتے ہیں ہاتھی دانت کی صنعت نے اس کا نام پایا ہے۔ ہندستان میں ہاتھی کی بڑی اہمیت ہے ہر ایک بادشاہ کی فوج میں اس سے کام لیا جاتا ہے جتنا بڑا بادشاہ ہوتا ہے اس کی فوج میں ہاتھیوں کی تعداد اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ دریاؤں کے اندر گھس جاتا ہے اس کی پیٹھ پر جو کچھ لادا جائے اُسے دوسرے کنارے تک پہنچا دیتا ہے۔ بعض ایسے چھکڑے جنھیں کھینچنے کے لیے کئی کئی سو آدمیوں کی ضرورت ہوتی انھیں دو تین ہاتھی بڑی آسانی سے کھینچ لے جاتے ہیں۔

اس کی خوراک بہت زیادہ ہے تین چار اونٹوں کا کھانا وہ اکیلا کھاتا ہے۔

ہاتھی کے بعد گینڈا ہے یہ بھی بہت بڑا جانور ہے دو تین بھینسوں کی برابر موٹا ہوتا ہے اِس کے ماتھے پر پانچ انگل برابر ایک سینگ اگا ہوتا ہے اس کی کھال بہت موٹی ہوتی ہے۔ گھوڑے کی طرح اس کا پیٹ بھی ہلکا اور چھوٹا ہوتا ہے اس کی دم بھی گھوڑے سے مشابہ ہے جس طرح اُس میں ہڈی ہوتی ہے اِس میں بھی ہوتی ہے گھوڑے کے اگلے پاؤں میں بھی گٹے پائے جاتے ہیں اسی طرح کے گٹے گینڈے کے بھی ہوتے ہیں۔

ہاتھی کے مقابلہ میں یہ زیادہ خوفناک اورخطرناک جانور ہے۔ اسے
سدھایا نہیں جاسکتا پشاور کے جنگلوں اور دریائے سارد کے آس پاس پایا
جاتا ہے۔ گینڈے کے بعد بھینسا بڑا حیوان ہے وہ بھینس سے صورت
میں ملتا ہے صرف اس کا جسم بھینس سے بڑا ہوتا ہے۔

نیل گائے بہت خوبصورت اور قابلِ ذکر ہے اس کا سرنیلا اور قد
گھوڑے کے برابر ہوتا ہے جسم گھوڑے سے نازک ہوتا ہے۔ اس کی مادہ
کا رنگ بارہ سنگے جیسا ہی ہوتا ہے چونکہ اس کا سرنیلا ہوتا ہے اسس
لیے اسے نیل گاؤ کا نام ملا ہے۔ اس کے سرپر دو سینگ اُگے ہوتے ہیں
گردن میں چار پانچ پانچ لمبے بالوں کا ایک گچھا ہوتا ہے اس کے کوہان
ہوتا ہے اس لیے گائے سے بہت مشابہ ہے۔

کوتہ پا بھی یہاں کا مخصوص جانور ہے یہ ہرن کی ہی شکل اور اسس
کے ہی قد اور جسم جیسا ہوتا ہے البتہ ہاتھ اور پاؤں ہرن کے پاؤں سے
بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ اس کی ٹانگیں چھوٹی ہوتی ہیں اس لیے یہ تیز نہیں
دوڑ سکتا۔ یہ جنگل میں چھپا رہتا ہے۔ اس کے پاؤں چھوٹے ہوتے ہیں اسی
لیے اسے چھوٹے پاؤں والا نام ملا ہے۔ ہرن کی ایک دوسری قسم کو
کلہرہ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اس کی سب
سے عجیب بات یہ ہے کہ نر کا رنگ تو سیاہ ہوتا ہے مگر مادہ کا رنگ سفید
ہوتا ہے۔ یہ ہرن عموماً پالا جاتا ہے اور بڑی آسانی سے سدھ جاتا ہے۔

ہرنوں میں چھوٹے ہرن کی ایک خاص قسم ہوتی ہے یہ زیادہ سے
زیادہ ایک سالہ بچھے کے برابر ہوتا ہے اس کا گوشت بہت لذیذ ہوتا
ہے۔ یہاں چھوٹے قد کی گائے بھی حیوانات کی ایک خاص قسم ہے۔ بندرگو

ہندستان کے جانوروں میں بہت اہمیت ہے۔ اس کی نرالی حرکتوں کی وجہ سے لوگ اسے پال لیتے ہیں۔ لوگ اسے نچاتے ہیں اور اس سے پیسے کماتے ہیں۔ اس کی ایک خاص قسم ہوتی ہے جس کا منھ سیاہ اور بال سفید ہوتے ہیں کالے رنگ کے بندر بھی پائے جاتے ہیں ان کا منھ بھی کالا اور بال بھی کالے ہوتے ہیں۔ نیولا اور گلہری بھی یہاں کے خاص جانور ہیں۔

مور ہندستان کا خاص پرندہ ہے اس کے پر اور بال رنگ دار ہوتے ہیں اس کا قد اس کے رنگ سے الگ ہوتا ہے۔ نر کے سر پر تین انچ کے برابر ایک تاج ہوتا ہے۔ مادہ کے یہ تاج نہیں ہوتا۔ اس کا نر بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ مادہ کچھ خوبصورت نہیں ہوتی اس کے پر بھی بہت زیادہ رنگین نہیں ہوتے۔ بعض مور بہت بڑے قد کے ہوتے ہیں یہ زیادہ نہیں اڑ سکتا اس لیے پہاڑی جنگلوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس کا گوشت بھی مزیدار ہوتا ہے، طوطا بہت خاص جانور ہے جسے یہاں کے لوگ پال لیتے ہیں اور بولیاں سکھاتے ہیں۔ باجور اور سوات کے علاقوں میں یہ بہت پایا جاتا ہے۔ پانچ پانچ چھ چھ ہزار کی قطاریں ادھر سے اُدھر فضا میں اکثر اڑتی نظر آتی ہیں۔ جو طوطے پالے جاتے ہیں اس کا سر سرخ اور پروں پر بھی سرخی ہوتی ہے جو طوطے بولیاں بولتے ہیں ان کی چونچیں سرخ ہوتی ہیں۔

مینا بھی پالتو جانور ہے۔ یہ طوطے کی نسبت ذرا دیر سے باتیں سیکھتی ہے۔ بنگال کی مینا باتیں سیکھنے میں بڑی شہرت رکھتی ہے اس کا رنگ بالکل سیاہ ہوتا ہے چونچ اور پاؤں زرد ہوتے ہیں اور آنکھیں

سرخ ہوتی ہیں یہ خوب باتیں بناتی ہے۔

موسم اور دنوں کی تقسیم

ہمارے ملک میں ہر سال چار موسم ہوتے ہیں مگر ہندستان میں صرف تین موسم ہیں چار مہینے گرمی رہتی ہے چار مہینے سردی بہار دکھاتی ہے اور چار مہینے برسات رہتی ہے۔ یہاں کے مہینے چاند کے مہینے کے وسط سے شروع ہوتے ہیں ان کے نام یہ ہیں
چیت۔ بیساکھ۔ جیٹھ۔ اساڑھ۔ ساون۔ بھادوں۔ کوار۔ کاتک۔ اگن۔ پوس۔ ماگھ۔ پھاگن۔

یہاں کے لوگوں نے ہر موسم میں دو دو مہینے گرمی۔ برسات اور سردی کے لیے مخصوص کر رکھے ہیں۔ جیٹھ اور اساڑھ گرمی کے لیے۔ ساون۔ بھادوں برسات کے لیے پوس اور ماہ سردی کے مخصوص مہینے ہیں۔
ہندستان میں دنوں کے نام یہ ہیں۔
سنیچر۔ اتوار۔ سوموار۔ منگل۔ بدھوار۔ برہسپت وار اور شکروار۔
ہمارے وطن میں دن رات چوبیس حصّوں یا گھنٹوں پر تقسیم کیے گئے ہیں ہر گھنٹہ ساٹھ وقفہ کے ہوتے ہیں لیکن ہندوستان کے لوگوں نے رات دن کو آٹھ حصوں پر بانٹ رکھا ہے ہر حصہ گھڑی کہلاتا ہے رات بھی چار پہروں اور دن بھی چار پہروں پر تقسیم کیا گیا ہے جس کا اعلان گھڑیال کے ذریعہ گھڑیالی کرتے ہیں۔ یہاں گھڑیال بڑے اہتمام سے بجایا جاتا ہے۔ طباق کے برابر پیتل کے ایک گول ٹکڑے میں جو دو انچ موٹا ہوتا ہے اوپر کی طرف سوراخ کرکے اُسے کسی اونچی جگہ لٹکا دیا جاتا ہے جس کے ساتھ

ایک موگری بھی ہروقت لٹکی رہتی ہے۔ گھڑیال کے نیچے ایک ناند پانی سے بھر دیتے ہیں اور ایک کٹوری کے پیندے میں سوراخ کر کے پانی کے سطح پر تیرا دیتے ہیں کٹوری کے پیندے میں جو سوراخ ہوتا ہے اس کے ذریعہ پانی آہستہ آہستہ کٹوری میں بھرنے لگتا ہے۔ جب کٹوری بھر جاتی ہے تو گھڑیالی اس کٹوری کو اُلٹ دیتے ہیں اور موگری سے گھڑیال پر چوٹ لگاتے ہیں اس کا مطلب یہ اعلان ہونا ہوتا ہے کہ ایک گھڑی بیت گئی۔ یہ سلسلہ صبح سویرے سے شروع ہوتا ہے۔ ہر مرتبہ جب کٹوری بھرتی ہے تو گھڑیال بجتا ہے اور یہ سلسلہ ایک پہر تک چلتا ہے۔ پہر گذر جانے پر گھڑیال پر اتنی چوٹ لگائی جاتی ہے جتنی گھڑیاں گذر گئی ہوتی ہیں اس مسلسل چوٹ کو گجر کا نام ملا ہے۔ پہلے پہر کا گجر رک کر بجتا ہے یہ اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ ایک پہر گذر گیا۔ دوسرے پہر پر گجر بجانے کے بعد دو ضربیں پہلے کے انداز میں لگائی جائیں گی یہ دو پہر کے گذر جانے کا اعلان ہوگا اس طرح تین پہر گذرنے پر تین ضربیں۔ چار پہر گذرنے پر جبکہ شام ہو جاتی ہے اور سورج غروب ہو جاتا ہے چوتھے پہر کا گجر بجتا ہے اور گھڑیال پر گھڑیالی چار چوٹ لگاتا ہے یہ دن کے تمام ہو جانے کا اعلان ہوتا ہے یہی کیفیت رات کی گھڑیوں اور پہروں کے اعلان کی ہوتی ہے۔

میں نے اس میں ترمیم کی اور حکم دیا کہ ہر پہر کی گھڑیال بجانے کے بعد کسی قدر رک کر اس پہر کا اعلان بھی کیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ گھڑیاں پہلے پہر کی ہیں یا دوسرے، تیسرے یا چوتھے کی۔ یہ ترمیم مفید رہی ہر گھڑی ساٹھ پلوں پر تقسیم کی گئی ہے ایک بار آنکھ بند کرنے اور کھولنے میں جو وقت لگتا ہے اُسے پل کہا گیا اس طرح ایک دن رات میں ستر ہزار

دو سو پل ہوتے ہیں۔

ہندی وزن

ہندی وزن کے حساب سے آٹھ رتی میں ایک ماشہ، چار ماشہ کا ایک ٹانک۔ پانچ ماشہ کا مثقال، چالیس رتی، بارہ ماشے کا ایک تولہ اور ۸۰ تولہ کا ایک سیر اور چالیس سیر کا ایک من۔ بارہ من کی ایک مانی اور سومن کا جنباسا۔ ٹانک عموماً جواہر اور موتی تولنے میں استعمال ہوتا ہے۔

گنتی

ہندستانیوں کی گنتی کا حساب یہ ہے کہ دس سو کا ایک ہزار۔ سو ہزار کا ایک لاکھ۔ سو لاکھ کا ایک کروڑ اور سو کروڑ کا ایک ارب اور سو ارب کا ایک کھرب۔ سو کھرب کا ایک نیل۔ سو نیل کا ایک پدم اور سو پدم کا ایک سانک بنتا ہے۔

ہندستان کا گھوڑا اچھا نہیں ہوتا۔ یہاں برف نہیں ملتی نہ گرمیوں میں ٹھنڈا پانی ہی مہیا ہوتا ہے۔ یہاں مدرسوں کا رواج نہیں ہے گھروں میں شمعدان استعمال نہیں ہوتے البتہ چیکٹ کا رواج ہے۔
باغوں اور مکانوں میں نہریں جاری کرنے کا رواج نہیں ہے ہندستان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑا ملک ہے اس میں سونا چاندی بہت بڑی تعداد میں ہے۔ برسات کے موسم میں جو ہوا چلتی ہے وہ بہت لطف دیتی ہے یہاں کی برسات میں کبھی کبھی تو ایک دن میں دس دس پندرہ پندرہ بیس بیس بار آسمان سے مینھ برستا ہے۔ برسات

میں ہر طرف جل تھل ہو جاتے ہیں جہاں پانی کی بوند نہیں ہوتی وہاں ندی نالے بہنے لگتے ہیں۔

بارش کے زمانے میں اور اس کے بعد بہت ٹھنڈی ہوا چلتی ہے۔ یہاں برسات کی عجیب خصوصیت یہ ہے کہ تیر بالکل بیکار ہو جاتے ہیں صرف تیر ہی نہیں کتابیں۔ لباس اور دوسرا سامان بھی سیل جاتا ہے۔

کبھی کبھی برسات کے دنوں کے علاوہ گرمی میں بھی ہوا خوب چلتی ہے کبھی کبھی تو ہوا کا زور اتنا ہوتا ہے کہ آندھی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

ہندستان میں پیشوں کی تقسیم خوب ہے ایک ہی پیشہ کے لوگ کثرت سے ہوتے ہیں ضرورت پر ہزاروں آدمی ایک ہی کام کرنے والے مل جاتے ہیں۔ ملا شرف الدین نے ظفرنامہ میں لکھا ہے کہ جب پتھروں سے جمعہ مسجد بنائی جانے لگی تو دو سو سنگ تراش (پتھر توڑنے اور اس پر کام کرنے والے) آذر بائی جان، فارس اور ہندستان سے جمع کیے گئے۔

اس کے مقابلہ میں ان لوگوں کی زیادتی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ میں نے جو عمارت آگرہ میں بنوانا شروع کی ہے اس کے لیے صرف آگرہ ہی سے چھ سو اسی (۶۸۰) سنگ تراش جمع کر لیے اس کے علاوہ سیکری۔ بیانہ۔ دولت پور۔ گوالیار اور کول میں جو عمارتیں شروع کر رکھی ہیں ان میں (۱۴۹۱) چودہ سو اکیانوے سنگ تراش کام کر رہے ہیں۔ اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہندستان کے خاص خاص پیشوں میں کتنے ہزار لوگ لگے ہوتے ہیں۔

میں نے اس وقت تک جو ملک فتح کیا ہے اس کی حد بہیرہ سے شروع ہوتی ہے اور بہار تک چلی گئی ہے اس ملک کی سالانہ آمدنی باون کروڑ روپیہ

ہے۔ انیس کروڑ آدنی کا علاقہ راجوں اور رئیسوں کے پاس ہے وہ مجھے خراج ادا کرتے ہیں۔

خزانوں کی تقسیم

یہ رجب کی اٹھائیسویں تاریخ تھی اور ہفتہ کا دن تھا جب کہ میں نے بعض خزانوں کی تقسیم کی۔ ہمایوں مرزا کو ستر لاکھ روپیہ تو صرف ایک خزانہ سے دیئے اس کے علاوہ کئی خزانہ بند کے بند ہی اس کے سپرد کر دیئے۔ اُن لوگوں کو بھی جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے تھے انعام دیا گیا۔ کامران مرزا جو کابل میں تھا اسے ستر لاکھ روپیہ بھجواتے، محمد زماں کو پندرہ لاکھ ہندوال اور عسکری کو بھی اتنا ہی انعام دیا گیا۔ ان لوگوں کو قیمتی کپڑے اور اشرفیاں بھی بھجوائی گئیں۔ سمرقند اور خراسان کے عالموں کو بھی نذرانے بھجوائے، مکہ مدینہ میں بھی اشرفیاں اور روپیہ بھجوائے، کابل کے تمام رہنے والوں کو ایک ایک شاہرخی (اشرفی) دی گئیں تاکہ یہ لوگ بھی اس فتح کی خوشی میں شریک ہو سکیں۔

میں نے جس وقت آگرہ پر قبضہ کیا اور میری فوج شہر میں گھس تو لوگ ڈر کر جنگل میں چھپ گئے۔ یہ گرمی کا موسم تھا۔ میری فوج کو اپنے لیے اناج اور گھوڑوں کے لیے چارہ حاصل کرنے میں بہت دشواری آئی سورج آگ برسا رہا تھا میری فوج کے اچھے اچھے سپاہی جی چھوڑ گئے ہندستان میں ٹھہرنے کو ان کا جی نہ چاہتا تھا۔ سپاہی تو سپاہی اچھے اچھے امراء جیسے خواجہ کلاں یہاں سے گھبرا گئے مجھے جب اُن کی حالت کا اندازہ ہوا تو میں نے اِن کو اکٹھا کیا اور سمجھایا کہ اللہ نے اتنی کوشش کے بعد

تو یہ دن دکھایا ہے کہ ہم اتنے بڑے ملک کے مالک بن گئے ہیں اگر ہم اس وقت اس ملک کو چھوڑ جائیں تو اس سے سوائے پریشانی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ تو اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے، اسی کے ساتھ ساتھ میں نے اُنھیں بتایا کہ جو لوگ کابل جانا چاہیں انھیں واپسی کی اجازت ہے کوئی روک ٹوک نہیں۔ بہت سے لوگ تو مطمئن ہو گئے لیکن خواجہ کلاں اور میر میراں کا دل نہ مانا اس لیے انھیں جانے کی اجازت دے دی اور اُن کے ساتھ تحفے کابل کو بھیجے۔

ملا اَپاق جو تین سال پہلے اپنے سب ساتھیوں کے ساتھ میرے ساتھ آکر مل گیا تھا میں نے اُسے کوئل کی طرف جانے کا حکم دیا اسی سے اِس علاقہ کے دوسروں امیروں کے نام پیغامات بھجوائے کہ وہ میری اطاعت قبول کریں۔ شیخ گھورن تو فوراً ہی حاضر ہوا اور بڑے خلوص سے ملا۔ علی خاں میوات چلا گیا تھا اُس کے پاس اُس کے بیٹوں کو بھجوایا وہ اُسے منا لائے اور میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے اُسے ۲۵ لاکھ سالانہ آمدنی کی جاگیر دی۔ میری اس ترکیب نے بڑا فائدہ پہنچایا۔ شیخ بایزید جو مصطفیٰ فرملی کا بھائی تھا اور جو ابراہیم لودھی کا خاص افسر تھا فیروز خاں۔ محمود خاں اور قاضی ضیا، کو ساتھ لے کر میرے پاس آیا میں نے اُس کی خوب آؤ بھگت کی اور ان میں سے ہر ایک کو اس کی توقع سے بڑھ کر جاگیر بخشی۔ فیروز خاں کو ایک کروڑ روپیہ کی جاگیر جونپور کے علاقہ میں دی۔ شیخ بایزید کو بھی ایک کروڑ روپیہ کی جاگیر دی۔ محمود خاں کو غازی پور میں نوے لاکھ پینتیس ہزار اور قاضی ضیا، کو بیس لاکھ آمدنی کا علاقہ دیا۔

ملک قاسم اور بابا قشقہ کو سنبھل روانہ کیا جنھوں نے سنبھل پر قبضہ کر لیا۔

بیانہ کا قلعہ بہت مضبوط اور مشہور قلعہ ہے اس وقت وہاں کا حاکم نظام خاں تھا۔ میں نے اُسے بھی پیغام بھیجا مگر وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوا اسی طرح رانا سانگا نے میری مخالفت کرنی شروع کر دی تھی۔ یہ خبر ملی کہ نصیر خاں لوحانی نے معروف فرملی کے ساتھ مل کر چالیس پچاس ہزار فوج جمع کر لی ہے اور قنوج پر قبضہ کر کے دو تین پڑاؤ ادھر اپنی چھاؤنی ڈال لی۔ میرے لیے یہ ضروری ہوگیا کہ اِن کے خلاف کارروائی کروں چنانچہ میں نے خود پہلے نصیر خاں کے خلاف لڑائی پر جانے کا ارادہ کیا مگر ہمایوں نے درخواست کی کہ یہ مہم اُسے سونپ دی جائے امرا کو بھی یہ رائے پسند آئی اور تیرھویں ذی قعدہ کو ہمایوں اس مہم کا سربراہ بن کر آگرہ سے روانہ ہوا اور اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔

میری بہت بڑی خواہش تھی کہ آگرہ میں باغ لگوائے جائیں چنانچہ ذی قعدہ کی بیس تاریخ کو اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نکلا۔ جمنا کے پار کئی مقام دیکھے مگر وہ اجاڑ اور گندے تھے لیکن ان کے علاوہ کوئی جگہ نہ تھی اس لیے حکم دیا کہ یہی جگہیں ہموار کر لی جائیں۔

سب سے پہلے ایک بہت بڑا کنواں کھدوایا پھر درختوں کے لیے جگہ ہموار کی پھر ایک حوض اور بارہ دری تعمیر کرائی بعد میں خلوت خانہ کی عمارات اور باغات تیار ہوئے جن میں قسم قسم کے پھول اور پھل دار پودے لگوائے۔

چونکہ میں ہندستان کی گرمی۔ آندھی اور گرد و غبار سے بددل ہوں

اس لیے میں نے ان تینوں سے بچنے کے لیے ایک حمّام بنوایا جو گرمی میں سخت ٹھنڈا ہوتا ہے۔ تینوں عمارتیں خلوت خانہ۔ حمّام اور حوض پتھروں سے بنوائے خاص خاص جگہوں پر سنگ مرمر استعمال کیا۔ باقی عمارت سنگِ سُرخ کی ہے جو بیانہ سے منگوایا گیا۔

آگرہ کے قریب یونس علی اور خلیفہ شیخ زین نے بھی دریائے جمنا کے کنارے کئی حوض، بارہ دریاں اور باغیچے بنواتے۔ کنویں بھی کھُدوائے اور دیالپور و لاہور کے نمونے کے رہٹ نصب کرائے ہیں اور پانی بہایا ہے چونکہ ہندستانیوں کے لیے یہ عمارتیں بالکل نئی تھیں اس لیے انھوں نے اس علاقہ کا نام جہاں یہ عمارتیں بنیں کابل رکھ دیا۔

ابراہیم لودھی کے محل اور شاہی قلعہ کے درمیان زمین کا ایک قطعہ بے آباد تھا میں نے وہاں بھی ایک عمارت کھڑی کر دی ہے یہاں میں نے پتھروں کی ایک مسجد بھی بنوائی ہے جو ہندستانی وضع کی ہے۔

(اکتوبر ۱۵۲۶ء) ۹۳۳ ھجری کے محرم کے مہینہ میں جو اس سال کا پہلا مہینہ ہے میرے یہاں ایک اور بچّہ ہوا جس کا نام میں نے فاروق رکھا۔ یوں تو ہمایوں کو جس کام کے لیے بھیجا تھا وہ اس میں کامیاب ہوا لیکن چونکہ ابھی کئی قلعہ مثلاً بیانہ فتح نہیں ہوا تھا اس لیے استاد علی قلی کو حکم دیا کہ ایک بڑی توپ تیار کرے علی قلی نے میرے حکم کی تعمیل میں بھٹیاں تیار کیں اور ۱۵، محرم کو میرے حضور درخواست پیش کی کہ میں توپ ڈھلنے کا تماشہ دیکھنے بھٹیوں پر آؤں۔ میں تماشہ کے لیے پہنچا تو دیکھا علی قلی نے آٹھ بھٹیاں پاس پاس بنا رکھی تھیں۔ پہلی بھٹی کی تہہ میں ایک ایسی نالی تعمیر کی تھی جو دوسری بھٹی سے ہوتی ہوئی ساری بھٹیوں

تک پہنچتی تھی یہ نالی سانچے سے جوڑ دی گئی تھی میرے سامنے بھٹیوں کی نالیوں کا جیسے ہی منہ کھلا سیال مادہ بہتا ہوا سانچے میں آن پہنچا لیکن سانچا پوری طرح نہ بھرا تھا کہ نالیوں سے آنے والا سیال مادہ ختم ہو گیا اور سانچا مکمل نہ ہوسکا علی قلی خاں کو بڑی شرمندگی ہوئی لیکن میں نے اس کے دل رکھنے کے لیے اُسے انعام دیئے سانچے کے ٹھنڈا ہونے پر پتہ چلا کہ توپ کی نالی اور دہانہ گولہ بھرنے کی جگہ ٹھیک ٹھیک بنی ہے اور وہ کارآمد ہو سکتی ہے۔

ہمایوں نے مہدی خاں کے ذریعہ فتح خاں شیروانی کو میرے پاس بھجوایا۔ میں نے فتح خاں کو خوش آمدید کہا اور اُسے اُس کے باپ اعظم ہمایوں کی جاگیر بحال کر دی اور ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ کی مزید جاگیر بخشی۔

ہندستان میں خطاب دینے کا رواج تھا اور بڑے سرداروں کی ترقی کی علامت کے طور پر دربار سے انھیں خطاب ملتے تھے فتح خاں شیروانی کے باپ کو اعظم ہمایوں کا خطاب ملا ہوا تھا چونکہ میرے ولی عہد کا نام ہمایوں ہے اس لیے میں نے یہ خطاب موقوف کر دیا اور شیروانی خاں کو خانِ جہاں کا خطاب دیا۔

اس وقت تاتار خاں سارنگ خانی گوالیار پر قابض تھا۔ رانا سانگا آگے بڑھتا آرہا تھا اس لیے تاتار خاں نے میرے پاس پیغام بھیجا۔ میں نے رحیم داد خاں کو یہ کام سپرد کیا۔ رحیم داد خاں جب گوالیار پہنچا تو تاتار خاں کا ارادہ بدل گیا۔ شیخ محمد غوث گوالیار کے بہت بڑے درویش تھے انھوں نے تاتار خاں کے ارادہ سے خبردار کر دیا۔ رحیم داد خاں نے ایک ترکیب نکالی اس نے تاتار خاں کے پاس پیغام بھیجا کہ باہر ہندو بہت جمع ہیں ہمیں رات

گذار نے کی اجازت دے دو. تاتار خاں نے اجازت دے دی اور اس کے ساتھ ایک دروازے پر ہمارے آدمی بھی پہرہ پر مقرر کر دیے رات کے درمیان رحیم داد خاں نے دروازہ کھول کر تمام مغل فوج کو داخل کرلیا اور اس طرح گوالیار پر قبضہ ہوگیا۔ میں نے رحیم داد خاں کو بیس لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر بخشی۔

دھولپور کا حاکم محمد زیتون تھا اس نے بھی قلعہ میرے آدمیوں کے سپرد کردیا اور میری خدمت میں حاضر ہوا میں نے لاکھوں کی آمدنی والی جاگیر اسے دی۔

ربیع الاوّل کی سترھویں تاریخ تھی جمعہ کا دن تھا کہ مجھے زہر کھلا دیا گیا۔ یہ زہر کا واقعہ اس طرح ہے کہ ابراہیم لودھی کو جب معلوم ہوا کہ میں نے ابراہیم لودھی کے سابق ہندستانی باورچیوں میں سے چار کا انتخاب کیا ہے اور ان کا پکایا ہوا کھانا ان دنوں کھاتا ہوں تو ابراہیم لودھی کی ماں نے انھیں ملا لیا۔ انھیں چار پرگنوں کا لالچ دیا گیا۔ ان سے یہ طے ہوا کہ وہ مجھے زہر دے دیں جس خاص ملازمہ کے ہاتھ احمد کو زہر بھجوایا اس کے پیچھے ایک دوسری ملازمہ بھی روانہ کی تاکہ وہ دیکھ سکے کہ پہلی ملازمہ نے زہر کی پڑیا احمد باورچی کے سپرد کی یا نہیں دوسری ماما کے ذریعہ احمد کو یہ پیغام بھی دیا گیا کہ زہر دیگچی میں پکتے کھانے کی بجائے پلیٹ میں ڈالا جائے اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے باورچیوں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ کھانا پکتے وقت دیگچی ہی میں کھانا چکھا جائے۔

باورچی نے آدھا زہر اس پلیٹ پر چھڑک دیا جس میں روٹیاں رکھی تھیں اور آدھا زہر اس خیال سے رکھ لیا کہ جب سالن پیالے میں ڈالا جائیگا تو یقیناً زہر اس میں چھڑک دے گا مگر اسے اِس کی ہمت نہ ہوئی اور اُس

نے آدھا زہر چولہے میں ڈال دیا۔

جمعہ کا دن تھا۔ نماز کے بعد میرے سامنے دسترخوان بچھا۔ خرگوش، انڈے، کا قلیہ اور تاز کا گوشت پکایا گیا۔ خرگوش بھی کھایا۔ انڈوں کا قلیہ اور بوٹیاں بھی مگر ہر چیز بےمزہ تھی۔ کھاتے ہی دل متلانے لگا۔ ذرا سی دیر کے بعد بڑے زور کی قے ہوئی مجھے کبھی شراب پیتے وقت بھی قے نہ ہوئی تھی۔ قے ہونے سے شبہ ہوا اور میں نے حکم دیا کہ جو کھانا دسترخوان پر لایا گیا ہے اُسے کتے کو کھلایا جائے اور اس کتے کو باندھ کر اس کی دیکھ بھال کی جائے۔ اس لیے کتے کو کھانا کھلا کر باندھ دیا گیا۔ دوسرے دن تک کتے کا برا حال رہا اس کا پیٹ بری طرح پھول گیا تھا اسے مار مار کر اٹھانے کی کوشش کی گئی لیکن وہ نہیں اٹھا اسے الٹا لٹکایا گیا اور اس طرح اُسے بچا لیا گیا۔ کتے کی طرح دو چیلوں کو بھی کھانا کھلایا گیا وہ بھی عذاب میں مبتلا رہیں ایک تو قے پر قے کرتی رہی لیکن وہ بھی بچ گئیں۔ اللہ نے مجھے دوبارہ زندگی دی۔

کتے اور چیلوں کی یہ حالت دیکھ کر میں نے سلطان محمد بخش کو حکم دیا کہ وہ باورچی سے پوچھ گچھ کریں باورچی نے اپنے جرم کو مان لیا اور سب کچھ تفصیل سے بتا دیا۔

میں نے دربار کیا اور کھلے دربار میں امیروں اور وزیروں کے سامنے باورچی۔ چاشنی گیر اور دونوں عورتوں کو بلایا اور سب کے سامنے اُن سے پوچھ گچھ کی گئی۔ انھوں نے سب کچھ بتا دیا۔ چاشنی گیر کے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیئے۔ باورچی کی کھال کھنچوائی ایک عورت کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا دوسری کو گولی مار دی۔

میں نے علاج کے طور پر گل مختوم کو دودھ کے ساتھ پیا۔ اگلے روز گل مختوم اور تریاق فاروق کو ملا کر دودھ کے ساتھ لیا مجھے خوب قے ہوئی اور کالا کالا پانی نکلا خدا کا شکر ہے کہ اب اچھی طرح ہوں میں نہ جانتا تھا کہ جان ایسی عزیز چیز ہوتی ہے سچ ہے جسے مرنے کی نوبت آجاتی ہے وہی جان کی قدر جان جاتا ہے اب بھی اس واقعہ کا اور اس حادثہ کا جب خیال آجاتا ہے تو بے ساختہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ کا شکر کس زبان سے ادا کروں کچھ دن زندگی کے باقی تھے کہ یہ مصیبت خیریت کے ساتھ ٹل گئی۔

ابراہیم کی ماں یعنی جسے میں بوا کہتا تھا انھوں نے چونکہ یہ حرکت کی تھی اس لیے انھیں بھی سزا دی۔ پکڑوایا۔ مال واسباب لونڈی اور غلام وغیرہ کو ضبط کرکے عبدالرحیم کے سپرد کیا کہ وہ نگرانی کرے۔ ابراہیم کے خاندان کے لوگوں کو میں نے بہت عزت و محبت سے رکھا تھا۔ اب ان کا یہاں رکھنا ٹھیک نہیں تھا اس لیے ان سب کو کامران مرزا کے پاس کابل بھجوا دیا۔

اس درمیان ہمایوں نے جونپور فتح کرلیا تھا اور نصیر خاں کے سرپر جا پہنچا۔ ہمایوں کے آنے کی خبر سن کر غازی خاں کے پٹھان بھی بھاگ گئے ان ہی دنوں مہدی خواجہ کے پاس سے بار بار آدمی آرہے تھے جن سے یہ پتہ چلا رانا سانگا آگے بڑھتا چلا آرہا ہے اور ہمارے علاقہ میں داخل ہوچکا ہے میں نے یہ خبریں پائیں تو ارادہ کرلیا کہ رانا سانگا سے لڑوں گا اور آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لوں گا۔ حسن خاں میواتی گو بظاہر ہمارے ساتھ تھا اور خود بھی کئی بار حاضر ہوا۔ اُس کا بیٹا پانی پت کی لڑائی میں میرے ہاتھ لگا تھا اور میری قید میں تھا اس لیے حسن خاں نے اس کی

رہائی کی خوشامد کی درباریوں نے بھی اُس کی سفارش کی اس لیے میں نے دونوں سے وعدے لے کر اور اُسے انعام دے کر رخصت کر دیا۔

اس ظالم نے بے وفائی کی اور اس کے بعد بغاوت کر دی اور الور سے نکل کر رانا سانگا سے جا ملا۔

رانا سانگا سے مقابلہ کے لیے ہم نے علی قلی کو توپ کے ڈھالنے کا حکم دیا تھا۔ اس نے وہ توپ ڈھال لی اور مجھے دعوت دی کہ میں اسے دیکھ لوں۔ میں ہفتہ کے روز بیس تاریخ کو توپ سے پہلا گولہ داغنے کا تماشہ دیکھنے کے لیے موقع پر پہنچا۔ عصر کا وقت تھا۔ علی قلی نے توپ میں پہلا گولہ بھرا۔ اس گولے نے چھ سو قدم تک مار کی میں نے علی قلی کو ایک جڑاؤ خنجر اور لباس شاہی انعام میں دیا۔

جمادی الاولیٰ کی نویں تاریخ کو دوشنبہ کے دن میں رانا سانگا سے لڑنے کے لیے آگرہ شہر سے روانہ ہوا۔ شہر سے نکل کر میدان میں پڑاؤ ڈالا تین چار دن تک یہیں خیمے گڑے رہے تاکہ جو فوج اِدھر اُدھر تھی یہیں آکر مل جائے۔

اس درمیان میں رانا سانگا نے بیانہ میں تباہی مچا دی اور لوگ وہاں سے پریشان ہو کر میرے پاس آنے لگے۔ میں نے لڑائی کی تیاری کی۔ دشمن نے پہلے دستہ کو کافی نقصان پہنچایا۔ اور وہ پریشان ہو کر پیچھے لوٹنے لگے۔ میں خود سوار ہو کر آگے بڑھا تو معلوم ہوا کہ دشمن نے پیش قدمی روک دی ہے۔

میں نے کابل سے شراب منگائی تھی اور بابا دوست سوچی اونٹوں کی تین قطاروں پر شراب کے مٹکے بھر کرلے آیا۔ اسی درمیان محمد شریف

نجومی نے یہ بات پھیلادی کہ اس وقت مریخ ستارہ مغرب میں ہے اور یہ بات منحوس ہے اس لیے ہار ہوگی۔ اِس بات نے میری فوج کے دل دہلا دیئے۔

جمادی الثانی کی ۲۳ ویں تاریخ تھی منگل کا دن تھا جب کہ میں اپنی فوج کا معائنہ کر رہا تھا یکایک خیال آیا کہ کیوں نہ شراب سے توبہ کرلوں۔ یہ ارادہ کرکے میں نے شراب سے توبہ کرلی۔ شراب کے تمام سونے چاندی کے برتنوں کو توڑ دیا۔ اور جتنی شراب اس وقت چھاونی میں موجود تھی سب کی سب پھنکوادی۔ شراب کے برتنوں سے جو سونا چاندی ملا اُسے فقیروں میں تقسیم کر دیا میرے اس کام میں میرے ساتھی عس نے بھی شرکت کی میری توبہ کی خبر سن کر میرے ساتھی امرا میں سے تین سو اشخاص نے اسی رات توبہ کرلی۔ بابا دوست چونکہ اونٹوں کی کئی قطاروں پر شراب کے بے شمار مٹکے لاد کر کابل سے آیا تھا اور یہ شراب بہت تھی اس لیے اُسے پھنکوانے کی بجائے اس میں نمک شامل کر دیا تاکہ وہ سرکہ کی شکل اختیار کرلے جس جگہ میں نے شراب سے توبہ کی اور شراب گڑھوں میں انڈیلی وہاں توبہ کی یادگار کے طور پر ایک پتھر نصب کرایا اور ایک عمارت تعمیر کرائی۔

میں نے یہ ارادہ بھی کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے رانا سانگا پر فتح بخشی گے تو میں اپنی سلطنت میں ہر قسم کے محصول معاف کردوں گا۔ میں نے اس معافی کا اعلان کرنا ضروری جانا اور محرروں کو حکم دیا کہ اس مضمون کے فرمان جاری کریں اور دور دور اس کی شہرت دی جائے۔

فوج میں دشمن کی زیادہ تعداد کی وجہ سے بد دلی پھیل گئی تھی اس لیے میں نے پوری فوج کو ایک جگہ جمع کرکے تقریر کی۔

جو بھی اس دنیا میں آیا ہے اُسے مرنا ہے۔ زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے
اس لیے موت سے نہیں ڈرنا چاہیے مجھ سے تم لوگ اللہ کے نام پر قسم کھاؤ
کہ موت کو سامنے دیکھ کر منہ نہیں موڑو گے اور جب تک جان باقی ہے لڑائی
جاری رکھو گے۔

میری تقریر کا بہت اچھا اثر ہوا۔ اس سے فوج میں جوش بھر گیا لڑائی شروع
ہوئی اور آخر میری فتح ہوئی۔ یہ فتح ۹۳۳ ھجری میں ہوئی (۱۵۲۷ء) میں آگرہ
کی جانب بڑھا اور آگرہ کے تخت پر بیٹھا۔

اس فتح کے کچھ عرصہ کے بعد مجھے خیر آباد کی فتح نصیب ہوئی۔ ہمایوں
کو میں کابل بھیج چکا تھا لیکن مجھے خبر ملی کہ کابل جاتے ہوئے وہ دہلی میں
رکا اور اس نے وہاں موجود سربہ مہر خزانوں کی مہریں بلا اجازت توڑ دی
ہیں اور اُن میں سے سونا چاندی اور روپیہ نکال لیا ہے۔ مجھے اِس کی
یہ حرکت سخت ناپسند ہوئی اور میں نے اسے بڑا سخت سست لکھا۔

ذی الحجہ کی دوسری تاریخ سے میں نے اپنا دیوان مرتب کرنا شروع
کیا میں نے اس وقت تک پانچ سو شعر کہے ہیں۔

۱۵۲۷ء (۹۳۴ ھجری، ربیع الاول کی چودھویں تاریخ کو چندیری کا
سفر اختیار کیا سوچا کہ اُسے بھی فتح کیا جائے۔ اس وقت یہ میدنی راؤ کے پاس
تھا جسے رانا سانگا نے ابراہیم لودھی سے چھین کر راجہ بنایا تھا۔

چندیری ۲۰ ۱۵ء ۹۳۴ ھجری میں فتح ہوگیا۔ یہ چندیری بہت خوبصورت
اور خوش منظر علاقہ ہے اس کے آس پاس بہت سے آبشار گرتے ہیں ایک
ندی بھی بہتی ہے شہر کے قریب ایک بڑا تالاب پھیلا ہے صرف وہ حصہ
خالی ہے جس پر دہری فصیل بنی ہے اور جس پر سے ہم نے حملہ کا آغاز کیا

اس بڑے تالاب کے علاوہ قلعہ کے سامنے تین اور تالاب بنے ہیں۔ شہر کے سارے مکانات پتھروں سے بناتے گئے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ امیروں کے مکانات جن پتھروں سے بنے ہیں انھیں تراشا گیا ہے اور غریبوں کے مکانوں میں پتھر اسی طرح لگے ہوئے ہیں۔ چندیری سے قریب ندی کا پانی بڑا میٹھا تندرستی کے لیے مفید ہے۔

چندیری سے میں قنوج کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ کے تمام علاقے فتح کرتا ہوا لکھنؤ کے قریب پہنچ گئے۔ اور گومتی کے کنارے ٹھہرے تبعہ کے دن محرم کی تیسری تاریخ کو میرا بیٹا عسکری حاضر ہوا ہیں اسے ملتان روانہ کرنا چاہتا تھا۔ محرم کی پانچویں تاریخ کو میں نے گوالیار کی سیر کا ارادہ کیا اور دریا پار کرکے آگرہ پہنچا۔ پانچ کوس چل کر ایک بڑے تالاب پر ٹھہرا رات یہیں گذاری۔ فجر کی نماز بہت صبح پڑھ لی اور پھر چل پڑا دوپہر کو کیسر ندی پر اترا اور ظہر کی نماز پڑھ کر تیسرے پہر وہاں سے روانہ ہوا۔ عصر کے وقت دھولپور پہنچا اور دھولپور سے ایک کوس مغرب کی طرف جو باغ میں نے خود تیار کرایا تھا اس میں ٹھہرا۔

اس جگہ پہاڑ کی چوٹی پر سُرخ پتھر کی ایک بڑی سی چٹان ہے یہ چٹان اتنی بڑی ہے کہ اُسے کھود کر ایک اچھا خاصا مکان تیار ہو سکتا ہے۔ میں نے پتھروں کو کاٹنے والوں میں خاص طور سے استاد شاہ محمد کو حکم دیا کہ یہ کام کروائے مگر جب کام شروع ہوا تو معلوم ہوا پتھر اتنا اونچا نہیں ہے کہ اس میں ایک مکان بن سکے اس لیے یہ ہدایت کی کہ گھر کی بجائے حوض بنا ڈالے۔

یہ بڑی پُر فضا جگہ ہے اور پورے ماحول میں آموں، جامنوں اور اس

قسم کے پھلوں کے بہت سے درخت ہیں ان درختوں کے درمیان ایک
کنواں کھدوایا جو دس گز چوڑا اور دس گز گہرا تھا یہ کنواں اس لیے تیار کروایا
کہ اس میں سے پانی نکلوا کر اس حوض میں ڈالا جائے جو حوض بن رہا تھا
اس حوض کی مغرب کی طرف وہ بند ہے جو سلطان سکندر لودھی نے بنوایا تھا۔
بند کے اوپر ایک بڑا تالاب خود بن گیا ہے جس میں برسات کا پانی جمع رہتا
ہے۔ کیونکہ تالاب کے چاروں طرف پہاڑ واقع ہے میں نے حکم دیا کہ اس
تالاب کی مشرق کی جانب پتھر کا ایک چبوترہ بنوایا جائے اور مغرب کی طرف
ایک مسجد بنائی جائے۔

میں دو دن تک خود اس کام کی دیکھ بھال کے لیے رُکا رہا جمعرات
کے دن یہاں سے روانہ ہو کر چنبل ندی پار کی اور دوسرے کنارے پر
ظہر کی نماز پڑھی۔ یہ برسات کا زمانہ تھا دریا زوروں پر تھا اس لیے
گھوڑوں نے تیر کر دریا پار کیا اور میں کشتی میں چڑھا اور دریا سے پار ہوا
اُس دن محرم کی دسویں تاریخ تھی۔ میں نے دوپہر ایک گاؤں میں بسر
کی اور پھر وہاں سے چل کر عشاء کی نماز کے وقت گوالیار پہنچ گیا۔

جب پچھلے سال یہاں آیا تھا تو شہر سے ایک کوس دور شمال کی
طرف ایک باغ تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ باغ تیار ہو چکا تھا میں اسی باغ
میں ٹھہرا۔ صبح کو راجہ مان سنگھ اور بکرماجیت کے سارے محل دیکھے۔ یہ
محل بہت عمدہ۔ شاندار اور عجیب وغریب ہیں۔ یہ سب کے سب پتھروں
سے بنے ہیں ان میں راجہ مان سنگھ کا محل بہت خوبصورت اور عمدہ ہے
اس کی بلندی کوئی پچاس گز ہے اور سارے کا سارا پتھر سے تراشا گیا ہے۔
کہیں کہیں دو دو تین تین اور چار چار منزلیں ہیں نیچے کی منزل بہت

اندھیری ہے میں نے شمع جلوائی اور اس کی روشنی میں اس محل کا نچلا حصّہ دیکھا اس محل کے چاروں کونوں میں چار برج بنے ہیں اور ہر برج میں بڑے برج کے ساتھ چھوٹی چھوٹی برجیاں بھی بنی ہیں جن کے اوپر سنہری کلس ہیں دیواروں پر ہرے رنگ کی چینی سے سجاوٹ کی گئی ہے مشرق کی طرف جو برج ہے اُس کے نیچے ایک دروازہ ہے اُس کا نام ہتیا پول ہے کیونکہ اس دروازہ کے باہر ہاتھی کی مورتی بنی ہے جو پتھر سے بنی ہے اس سے ملی ہوئی ایک عمارت اور ہے جس کی چار منزلیں ہیں۔

راجہ مان سنگھ کے بیٹے راجہ بکرماجیت کے محل اس کے باپ کے محل کی نسبت کم خوبصورت ہیں۔ راجہ مان سنگھ کے محل کے اندر ہی اندر سے ایک راستہ بیٹے کے محل کو جاتا ہے جو باہر سے نظر نہیں آتا۔

رحیم داد خاں یہاں کا حاکم ہے وہ اسی محل میں رہتا ہے اُس نے اس محل میں ایک دالان بنا لیا ہے۔ اس نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے میں اُس کو دیکھنے کے لیے گیا۔ بہت عمدہ عمارت ہے۔ اُس نے ایک باغ بھی لگوایا ہے یہ قلعہ گوالیار کے جنوب میں ہے۔ شام کو چار باغ میں جاکر اترا یہ ہرا بھرا خوبصورت باغ ہے یہاں کا گلاب اور کنیر بہت عمدہ ہے خاص طور پر کنیر کا کوئی جواب نہیں میں نے یہ کنیر آگرہ میں بھی بویا تھا۔

گوالیار کے علاقہ میں ایک بہت بڑا تالاب بنا ہے جس میں برسات کا پانی جمع ہوتا رہتا ہے اس تالاب سے مغرب کی طرف ایک بہت بڑا مندر ہے سلطان التتمش نے اس مندر کے ساتھ ایک مسجد بھی بنائی تھی۔ یہ مندر باقی تمام عمارتوں سے اونچا ہے یہ اتنا اونچا ہے کہ دھولپور سے صاف نظر آتا ہے۔

ہتیاپول دروازے کے قریب اڈو نالی درہ کی سیر کی۔ یہ درہ ایک دوہری فصیل کے منہ پر بنا ہے فصیل تیس چالیس گز اونچی ہے اندر کی فصیل بہت لمبی ہے دونوں فصیلیں آخر میں جاکر ایک دوسری سے مل گئی ہیں۔ فصیل کے اندر ایک باولی ہے۔ آدمی دس پندرہ سیڑھیاں اتر کر پانی تک جاپہنچتا ہے۔ باولی کے اوپر سلطان شمس الدین التمش کا نام اور ۶۳۷ھ لکھی ہوئی ہے (اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس تاریخ کو سلطان التمش نے یہ باولی بنوائی تھی)

اڈو کے آس پاس پہاڑ کاٹ کر مورتیاں بنائی گئی ہیں یہ مورتیاں کچھ چھوٹی ہیں اور کچھ بڑی ان میں سب سے بڑا بت بیس گز لمبا ہے۔ اڈو ایک دلچسپ مقام ہے اس کے چاروں طرف بُت ہی بُت دکھائی دیتے ہیں۔

گوالیار کے بت خانہ کی بڑی شہرت سنی تھی اُس کی بھی سیر کی بت خانہ دوہرے اور تہرے دالانوں میں بنا ہے ان کے اندر بت دیوار ہی میں بنا دیئے گئے ہیں۔ بت خانہ کے کچھ حصّے بالکل اسی طرح بنے ہیں جس طرح مدرسے کی عمارتیں بنائی جاتی ہیں۔ درمیان میں ایک بڑا برج ہے جس کے کرے بھی مدرسوں کے کرے جیسے ہیں ہر کمرے کے اوپر پتھر سے تراشی ہوئی برجیاں لگی ہیں اور ان برجیوں کے نیچے پتھروں سے تراش کر بنائے ہوئے بُت رکھے ہیں۔

بت خانہ کی سیر کرنے کے بعد میں مغربی سمت کے دروازہ سے نکل کر قلعہ گوالیار میں داخل ہوا۔

پندرھویں تاریخ کو گوالیار سے چھ کوس کے فاصلہ پر جنوب مشرق میں

ایک آبشار کی سیر کی جو اونچے پہاڑ سے گرتا ہے۔ یہ آبشار جہاں گرتا ہے
وہاں اس نے ایک تالاب کی شکل اختیار کرلی ہے اس تالاب کے چاروں
طرف کئی اونچی چٹانیں اس طرح موجود ہیں کہ ان پر بیٹھا جاسکتا ہے۔

جب منزل پر پہنچے تو کشتیوں کے نام مقرر کئے بڑی پرانی کشتی بابر کی
جو رانا سانگا کی لڑائی سے پہلے تیار ہوئی تھی اس کا نام آسائش رکھا اس
سال روانہ ہونے سے پہلے آرائش خاں نے ایک کشتی نذر کی تھی اس
سفر میں نے اس میں ایک درجہ اور بنوایا تھا اس کا نام آرائش رکھا
سلطان جلال الدین نے جو کشتی پیش کی تھی اس میں ایک بڑا دالان بنا
ہوا تھا اس دالان پر دوسرا دالان اور بنایا گیا تھا اس کا نام گنجائش
رکھا ایک ڈونگا جو کھنڈی دار تھا یہ ڈونگا ہر کام کے لیے بھیجا جاتا تھا
اس کا نام فرمائش رکھا۔

جب میں آگرہ میں دوبارہ داخل ہوا تو سب سے پہلے باغ ہشت
میں داخل ہوا۔ دوسرے دن جمعہ تھا۔ جمعہ کے بعد قلعہ میں گیا اور سب
بیگموں سے ملاجاتے وقت میں خربوزے بونے کا حکم دے گیا تھا۔ اب
وہی خربوزے پیش کیے گئے اچھے خربوزے تھے دو ایک پودے انگور کے
باغ ہشت میں لگوائے تھے اس میں بھی اچھے انگور لگے شیخ گھورن نے
بھی انگوروں کا ایک ٹوکرا بھیجا۔ ہندوستان میں ایسے انگور اور خربوزے
ہونے سے دل خوش ہوا۔

سنیچر کے دن دوپہر کو ماہم آگرہ پہنچی وہ کابل سے آئی ہے عجیب
بات ہے کہ ہم جس تاریخ کو آگرہ کے لیے روانہ ہوئے تھے اسی تاریخ کو
ماہم کابل سے نکلی جمعرات کو دربار ہوا۔ اور ماہم اور ہمایوں کے تحفے نظر کے گئے۔

اِن ہی دنوں سید مشہدی گوالیار سے آیا اُس نے رحیم داد کے باغی ہونے کی خبر دی میں نے خود گوالیار جانے کا ارادہ کیا لیکن کچھ لوگوں نے روک دیا اور خلیفہ کے درمیان میں پڑنے سے معاملہ سنبھل گیا۔

۳ محرم ۹۳۶ ہجری ر ۷ ستمبر ۱۵۲۹ء ؛ کو محمد غوث گوالیار سے رحیم داد کی سفارش کو آیا اُس کے ساتھ شہاب الدین خسرو بھی تھا۔ میں نے اُسے معاف کر دیا اور شیخ گھورن اور نور بیگ کو گوالیار بھیجا اور رحیم داد کو حکم دیا کہ گوالیار اُن کے سپُرد کر دے۔